مفرور لڑکیوں کا نکاح

اور

ہماری عدالتیں

مسئلہ ولایت نکاح کا ایک تحقیقی جائزہ

تالیف و ترتیب

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

مفرور لڑکیوں کا نکاح
اور
ہماری عدالتیں

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

الریاض العلیا فون: 01 4614483 فیکس: 4644945 ۔ الملز فون: 01 4735220 فیکس: 4735221 ۔ سویلم فون: 01 2860422
جنوب الریاض موبائل 0505196736-0503459695 ۔ قصیم (بریدہ) فون/فیکس: 06 3696124 موبائل: 0503417156
مکہ مکرمہ موبائل: 0506640175-0502839948 ۔ مدینہ منورہ فون 04 8234446 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
جدہ فون: 02 6879254 فیکس: 6336270 ۔ الخبر فون: 03 8692900 فیکس: 8691551
ینبع البحر فون/فیکس 04 3908027 موبائل 0500887341 ۔ خمیس مشیط فون/فیکس 07 2207055 موبائل: 0500710328

شارجہ (امارات) فون: 00971 6 5632623 ۔ امریکہ: ہیوسٹن فون: 001 713 7220419 نیویارک فون: 001 718 6255925
لندن فون: 0044 208 539 4885 ۔ آسٹریلیا فون: 0061 2 9758 4040

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072 موبائل: 0322-8484569
Website: www.darussalampk.com E mail: info@darussalampk.com
لاہور (مرکز) غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 7120054 فیکس: 7320703 موبائل: 0321-4439150
• موں مارکیٹ اقبال ٹاؤن فون: 7846714 موبائل: 0321-4156390
• Y-260 بلاک کمرشل ایریا فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 042 5084895 موبائل: 0321-4212174
اسلام آباد F-8 مرکز فون/فیکس: 051 2281513 موبائل: 0321-5370378
کراچی مین طارق روڈ، (D.C.H.S / 110,111-Z) (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی
فون: 021-4393936 فیکس: 4393937 موبائل: 0321-2441843
Darussalamkhi@darussalampk.com

مسئلہ ولایتِ نکاح کا ایک تحقیقی جائزہ

تحریر:
حافظ صلاح الدین یوسف

دارالسلام
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
الریاض ہیوسٹن لاہور

مُقدّمة

شیخوپورہ میں قائم خصوصی عدالت برائے انسداد دہشت گردی کے جج ظہور الحق رانا نے اپنی مرضی سے شادی کرنے والی ایک لڑکی اور اس کے مبینہ خاوند کی عبوری ضمانتیں منسوخ کردیں، جس کے بعد پولیس نے اس جوڑے کو گرفتار کر کے حوالۂ زِنداں کردیا۔

فاضل جج نے اپنے فیصلے میں کہا کہ ''اسلامی معاشرہ ایسی بے راہ روی کی اجازت نہیں دیتا اور یہ بات انصاف کے منافی ہے کہ ایک لڑکی اپنے بوڑھے ماں باپ کو تھانے اور کچہریوں میں رسوا کرے اور خودسری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاندان کی بے عزتی کا باعث بنے اور اس کے بوڑھے والدین رو رو کر اسے گھر واپس آ جانے کی منتیں کریں۔''
(روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۸/اگست ۱۹۹۹ء صفحہ ۲)

آج کل نوجوان لڑکیوں کی یہ خودسری اور گھر سے فرار ہوکر والدین کی اجازت اور مرضی کے خلاف اپنے خفیہ آشناؤں سے شادی رچا لینے کی وبا اور لعنت ہمارے معاشرے میں روز افزوں ہے اور بدقسمتی سے بعض علماء بھی، اپنی فقہی موشگافیوں کی بنیاد پر، اس قسم کی شادیوں کے جواز کا فتویٰ دے دیتے ہیں اور عدالتوں کی کرسیوں پر براجمان بہت سے جج بھی مغرب زدگی کا شکار ہوکر ایسے نکاحوں کو صحیح قرار دے کر ان بدقماش اور آوارہ لڑکیوں کی تائید کرتے اور معزز اور شریف والدین کی بے عزتی اور بے بسی کو نظرانداز کردیتے ہیں۔ یوں یہ دونوں طبقے اس معاشرتی بے راہ روی ، والدین سے بغاوت و سرکشی اور اسلامی اَقدار و روایات سے انحراف میں معاوِن بن کر کھلم کھلا تعاون علی الاثم والعدوان کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو ہدایت نصیب کرے !!

ان حالات میں شیخوپورہ کے مذکورہ جج کا فیصلہ، تاریکیوں میں روشنی کی ایک کرن

ہے، اللہ کرے کہ یہ کرن بڑھے اور پھیلے اور عدالت ہائے عالیہ اور عدالتِ عظمیٰ تک بھی یہ روشنی پہنچے تاکہ وہ بھی اپنے اس قسم کے فیصلوں میں اسلام کی معاشرتی اَقدار کی اہمیت کو تسلیم اور ان کی سربلندی کا اہتمام کرسکیں، تاکہ اس بڑھتی ہوئی بے راہ روی پر قابو پایا جاسکے۔

تصویر کا دوسرا رخ

ابھی ہم تصویر کا ایک روشن رخ دیکھ کر مسرت کا اظہار ہی کر رہے تھے کہ تصویر کا دوسرا رخ سامنے آ گیا۔ مکروہ نہایت مکروہ، تاریک نہایت تاریک اور اتنا گھناؤنا کہ اسے دیکھ کر سر پھوڑ لینے کو اور نوحہ گر ساتھ رکھنے کو جی چاہتا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے ''لاہور ہائیکورٹ کی وارننگ'' خبر کا عنوان ہے:

''پولیس لو میرج کرنے والے جوڑے کی ازدوجی زندگی میں مداخلت سے باز رہے'' نیچے خبر ہے:

> ''لاہور ہائی کورٹ نے لو میرج کرنے والی فیصل آباد کی پروین اور عمران کی درخواست پر فیصل آباد کی پولیس کو حکم دیا ہے کہ وہ درخواست گزاروں کی ازدواجی زندگی میں مداخلت سے باز رہے۔ درخواست گزاروں نے موقف اختیار کیا کہ انہوں نے والدین کی مرضی کے بغیر شادی کر لی، مگر لڑکی کے والدین نے مقدمہ درج کرا دیا اور اب پولیس انہیں ہراساں کررہی ہے'' (روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۲۰/اگست ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۶، کالم ۶)

اس کے چند دن بعد کی ایک اور وارننگ ملاحظہ فرمایئے جو لاہور ہائیکورٹ ہی نے ایسے ہی ایک اور مقدمے میں دی ہے، ذرا اس کے تیور اور انداز بھی دیکھئے:

> ''پولیس کو اس بات کا اختیار حاصل نہیں کہ وہ شہریوں کی ازدواجی زندگی میں مداخلت کرتی پھرے۔ پولیس اپنی قانونی حدود میں رہے اور حدود سے تجاوز کرنے والے پولیس اہل کار سزا کے مستحق ہیں...... عدالت نے یہ ریمارکس اوکاڑہ کی عظمیٰ اکبر اور اس کے شوہر نواز احمد کی درخواست کی سماعت کرتے ہوئے دیئے۔ دونوں نے ماں باپ کی مرضی کے بغیر شادی کی

تھی۔انہوں نے عدالت کو بتایا کہ عظمیٰ اکبر کے والدین کے ایماء پر دیپالپور پولیس درخواست گزاروں کو علیحدگی پر مجبور کر رہی ہے۔عدالت نے پولیس کو حکم دیا کہ وہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے درخواست گزاروں کو ہراساں نہ کرے۔'' (روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۹ ستمبر ۹۹)

اس کے چند روز بعد ۱۴ ستمبر ۱۹۹۹ء کے اخبار 'جنگ' میں قصور کے ایک لومیرج کے ذریعے سے بننے والے جوڑے (رخسانہ اور خالد) کے بارے میں لاہور ہائی کورٹ نے قصور پولیس کو مذکورہ ہدایت یعنی ان کی ازدواجی زندگی میں مداخلت نہ کرنے کی وارننگ دی اور کہا کہ وہ اپنی حدود میں رہے۔

اس کے بعد حافظ آباد کے ایک جوڑے کی درخواست پر عدالت نے یہی فیصلہ دیا اور پولیس کی کارروائی کو ازدواجی زندگی میں مداخلت اور قانوناً جرم قرار دیا (جنگ' لاہور' ۲۳ اکتوبر ۹۹ء)

پے درپے یکے بعد دیگرے لاہور ہائی کورٹ کے یہ چار فیصلے پڑھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ فیصلے کسی پاکستانی عدالت کے ہیں یا مغرب کے مادر پدر آزاد ملک کی کسی عدالت کے؟ عدالت کی کرسیوں پر براجمان یہ جج اسلامی تہذیب کے فرزند ہیں یا ابلہ مغرب؟ ان کی آنکھیں سرمہ بصیرت سے محروم ہیں یا مغرب کی چکا چوند نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے؟ یہ اپنے عدالتی اختیارات کے ذریعے سے معاشرتی بے راہ روی کے بڑھتے ہوئے طوفان کے آگے بند باندھنے کے آرزومند ہیں یا بچے کھچے بندھنوں کو بھی توڑنے کے خواہاں؟ یہ بے حیائی کے سیلاب کے شگاف کو بند کرنا چاہتے ہیں یا اسے مزید کھلا کر کے اسلامی اقدار و روایات کو غرق مئے ناب کرنا؟

ان سوالوں کا جواب واضح ہے، اگر شیخوپورہ کی عدالت کا پہلا فیصلہ ایک اسلامی ملک کے شایانِ شان اور اس عدالت کا جج اسلامی فکر و ذہن کا حامل اور اسلامی جذبہ و شعور سے بہرہ مند ہے، تو یقیناً لاہور ہائی کورٹ کے جج، جنہوں نے یا جس نے مذکورہ تین فیصلے دیئے ہیں، وہ اس کے بالکل برعکس ہیں۔ وہ قطعاً اس بات کے اہل نہیں ہیں کہ انہیں کسی

اسلامی ملک کی عدالت پر اور مسلمانوں کے معاشرتی مسائل کا فیصلہ کرنے پر مامور کیا جائے۔ غیر شعوری طور پر وہ مسلمانوں کی نوجوان نسل کی اِصلاح نہیں، اسے بگاڑنا چاہتے ہیں۔ وہ بے حیائی کا خاتمہ نہیں، اس کا فروغ چاہتے ہیں، وہ مغرب کی مادر پدر آزادی کو ناپسند نہیں، اسے پسند کرتے اور پاکستان میں اسے رواج دینا چاہتے ہیں۔ وہ والدین کی عزت اور ان کے وقار کے تحفظ کے علم بردار نہیں، بلکہ والدین کی عزت کو خاک میں ملانے والی بے راہ نسل کے طرفدار ہیں۔

مذکورہ فیصلوں سے اگرچہ ہمارے جذبات سخت مشتعل ہیں، لیکن عدالت کا وقار کھل کر اظہارِ رائے میں مانع ہے، کیونکہ اس محفل کا دستور 'زبان بندی' ہے، یہاں زبانیں بات کرنے کو ترستی ہیں۔ ہم بھی اس محفل کے آداب کی وجہ سے کچھ مجبور سے ہیں۔ تاہم ان کی خدمت میں روزنامہ 'جنگ' کے ایک مستقل کالم نگار جناب جاوید چودھری کا ایک کالم پیش کرنا مناسب خیال کرتے ہیں، جو انہوں نے مغرب کے ایک مادر پدر آزاد معاشرے کا بچشم سر مشاہدہ کرنے کے بعد سپردِ قلم کیا ہے۔ اس میں یقیناً مغرب زدگان کے لئے عبرت کا سامان ہے۔ ع دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

موصوف ناروے میں چند دن گزار کر آئے اور حسبِ ذیل تاثرات قم فرمائے

دوزخ سے جنت تک !

ناروے کی اصلیت جاننے کے لئے آپ کو کم از کم پندرہ دن چاہئیں۔ شروع شروع میں آپ کو اس کی زمینی، انسانی اور سماجی خوبصورتی مبہوت کر دیتی ہے۔ آپ کو صرف اچھا ہی اچھا دکھائی دیتا ہے لیکن جوں ہی آپ اس کی اصل زندگی میں اُترتے ہیں، آپ کو اس معاشرے کے تضادات دکھائی دینے لگتے ہیں۔ آنے والے دنوں میں یہ کنٹراڈکشنز (تضادات) اس تیزی سے بڑھتے ہیں کہ آپ وہاں سے بھاگنے کا راستہ تلاش کرنے لگتے ہیں۔ کم از کم میرے ساتھ تو ایسا ہی ہوا۔

چودھری زاہد اسلم بیس پچیس سال سے ناروے میں ذاتی مرسڈیز ٹیکسی اور لگژری فلیٹ کے مالک ہیں۔ ناروے میں ٹیکسی کا مالک ہونے کا مطلب وہی ہے جو پاکستان میں ذاتی طیارہ رکھنے کا ہوتا ہے کیونکہ ناروے میں ٹیکسی ڈرائیوروں کا شمار انتہائی آمدنی والے شہریوں میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زاہد اسلم کو محبت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ ان کا ایک نوجوان دوست ثاقب تارڑ پنجاب اسمبلی کا سابق رکن طارق تارڑ کا بھتیجا ہے۔ اس میں بھی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہے میں جتنے دن ناروے رہا۔ ثاقب چھوٹے بھائیوں کی طرح میرے ساتھ ساتھ رہا۔ اس شہر کی کوئی خوبی، کوئی خرابی، ان دونوں کی نظروں سے اوجھل نہیں، لہٰذا میں نے ان کی مدد سے اوسلو کے جو زاویئے دیکھے وہ انتہائی کربناک، افسوس کن اور ناقابل فراموش ہیں۔ زندگی اور انسان کی یہ بے حرمتی دیکھ کر میں چار پانچ دن تک کھانے پینے کے قابل نہ رہا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میرا معدہ حلق کے راستے باہر آجائے گا۔

معاشی ترقی اور معاشرتی آزادی کے باعث ناروے میں فیملی سسٹم ٹوٹ چکا ہے۔ ۷۹ فیصد جوڑے شادی کے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ عورت کو اس معاشرے میں غیر ضروری اہمیت حاصل ہے وہ جس کے ساتھ رہنا چاہے رہے، اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس بے راہروی کے نتیجے میں جب کوئی خاتون، ''خاوند'' بدلتی ہے تو وہ اپنے مختلف رنگ اور نسل کے بچے بھی ساتھ لے جاتی ہے جس کے بعد نئے گھر میں تین قسم کے بچے سامنے آتے ہیں۔ کچھ بچوں کو 'بیوی' میرے بچے کہتی ہے، کچھ کو 'خاوند' کی جمع پونجی سمجھ کر تمہارے بچے اور باقی ماندہ بچوں کو دونوں مل کر ہمارے بچے کہتے ہیں۔ لیکن اگر حقیقت دیکھی جائے تو یہ میرے، تمہارے اور ہمارے بچے بھی کسی کے نہیں ہوتے کیونکہ ان کے نان نفقے، تعلیم اور علاج معالجے کی ذمہ دار بھی حکومت ہوتی ہے اگر وہ دیکھے کہ 'میرے' بچے 'تمہارے' بچوں کو یا 'ہمارے' بچے 'میرے' یا 'تمہارے' بچوں کو تنگ کر رہے ہیں اور 'میاں

بیوی اُن کے ساتھ بہتر سلوک نہیں کر رہے تو حکومت ان بچوں کو بحق سرکار ضبط کر لیتی ہے۔ یہ ضبط شدہ بچے بالغ ہونے تک حکومت کی تحویل میں رہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بھی میرے، تمہارے اور ہمارے بچوں کی تلاش میں اس معاشرے میں اتر جاتے ہیں۔

الکوحل اور بے راہروی اس معاشرے کا سب سے بڑا سیٹ بیک ہے۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک اتنی شراب پی جاتی ہے کہ لوگ پانی کا ذائقہ بھولتے جا رہے ہیں۔ رہی بے راہروی تو وہ نشاط کے کھلے میدان سے نکل کر ذہنی بیماری کے قید خانے میں محبوس ہو چکی ہے۔ بے شمار ڈسکو ہیں جن میں سگریٹ کے دھوئیں، الکوحل کی بو، فلک شگاف موسیقی، نیم برہنہ نارویجن نوجوان اور شیطانی اچھل کود کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ رات کے ساڑھے تین بجے جب یہ ڈسکو بند ہوتے ہیں تو ان میں سے اکثر نوجوان فٹ پاتھوں پر اپنی قے سے لتھڑے نیم مردہ حالت میں پائے جاتے ہیں۔ جنہیں شہر کی انتظامیہ گاڑیوں میں لاد کر صحت کی بحالی کے مراکز تک پہنچاتی ہے۔ اس غیر فطری زندگی نے انسان کو تنہا کر دیا ہے وہ جو کہتے تھے انسان انسان کا محتاج ہوتا ہے۔ ناروے میں یہ محاورہ کتابِ زندگی کے اوراق سے مٹ چکا ہے۔ انسان کے انسان سے روابط ختم ہو چکے ہیں، ماں ماں نہیں رہی، بھائی بھائی نہیں رہا، باپ باپ نہیں رہا، اور پڑوسی پڑوسی نہیں رہا۔ سب 'آزاد' شہری ہو چکے ہیں۔ اس آزادی سے یہ نتیجہ نکلا کہ آج ناروے میں خودکشی کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اوسلو شہر کے بجٹ کا زیادہ تر حصہ شہریوں کے نفسیاتی علاج پر خرچ ہو جاتا ہے۔ انسان انسان سے اس قدر دور ہو چکا ہے کہ بھرے شہر میں کوئی کسی کو گولی مار جائے تو قریب سے گزرنے والے نعش کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھیں گے، کوئی ہاکی لے کر باہر نکلے اور ایک طرف سے دوکانوں کے شیشے توڑتا ہوا دوسری طرف نکل جائے، کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑے گا۔

ناروے میں بوڑھے مرد و زن سب سے زیادہ مظلوم ہیں۔ صحت و صفائی کے باعث اوسط عمر میں اضافہ ہو چکا ہے۔ خواتین عموماً ۸۰ برس سے پہلے نہیں مرتیں جبکہ مرد ۷۵

برس تک انتقال پر مائل نظر نہیں آتے۔ یہ لوگ طویل عمری کی یہ سزا اولڈ ہومز اور ہسپتالوں میں تنہا گزارتے ہیں۔ گو وہاں انہیں ہر قسم کی تفریح اور آرام فراہم کیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں زبان بولنے اور کان اپنے پیاروں کی آواز سننے کو ترس جائیں وہاں آرام کے معانی آرام کہاں ہوتے ہیں۔ اولڈ ہومز میں رہنے والے اکثر بوڑھے شہر میں ذاتی رہائش گاہوں کے مالک ہیں لیکن وہ اپنے گھروں کے برعکس یہاں رہنا پسند کرتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے اگر وہ اپنے گھر میں مر گئے تو ان کے انتقال کی خبر ساتھ والے کمرے تک پہنچتے پہنچتے ایک دو ہفتے لگا دے گی۔ اس دوران ان کی نعش کھلی آنکھوں سے تجہیز و تکفین کے ادارے کے کارکنوں کا انتظار کرتی رہے گی۔

اتوار کی صبح جب میں ایک ہفتے بعد اسلام آباد لوٹا تو میرے ایک دوست نے مجھ سے پوچھا ''جنت سے واپس دوزخ آنا کیسا لگ رہا ہے؟''...... میں نے عرض کیا ''میرے بھائی اس وقت میرے گھر کی لائٹ بند ہے، پچھلے دو دن سے پانی نہیں آیا، فون خراب چھوڑ کر گیا تھا، ابھی تک خراب ہے۔ گرمی سے سانس پھیپھڑوں میں الجھ رہی ہے لیکن ان تمام تکلیفوں کے باوجود مجھے واپس آ کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں تندور سے نکل کر نخلستان میں آ گیا ہوں۔ پاکستان واقعی جنت ہے کیونکہ اس میں ہماری ایک ماں، ہمارا ایک باپ، ہمارے اصل بہن بھائی، مخلص دوست، انتہائی دردمند ہمسائے اور نہایت محبت کرنے والے بچے ہیں۔ ہم سب کی آنکھوں میں ایک دوسرے کے لئے شناسائی ہے، ہم آگے بڑھ کر ایک دوسرے کو ملتے ہیں۔ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ ہم سڑک پر گرے نوجوان کو سہارا دینے کے لئے رک جاتے ہیں، دوسروں کے لئے روتے ہیں، دوسروں کے ساتھ ہنستے ہیں، تم یقین کرو یہ خوشی کم نہیں ہے، میرا دعویٰ ہے اگر تم ناروے جا کر اعلان کرو، اے لوگو! آؤ میں تمہیں تمہارے بہن بھائی، ماں باپ اور دوست واپس کرتا ہوں تو سارا ملک اپنی دولت لے کر باہر نکل آئے گا۔

قارئین کرام! یقین فرمائیں دنیا میں انسانی رشتوں سے زیادہ قیمتی اور انسانی محبت سے بڑھ کر عظیم کوئی جذبہ نہیں لیکن افسوس مجھے ان دونوں کی عظمت کا اندازہ ملک سے باہر جا کر ہوا۔" (مؤرخہ: ۲۱ر جولائی ۱۹۹۹ء)

......معلوم ہوتا ہے، فقہی جمود میں مبتلا علماء اور ہماری مغرب زدہ عدالتیں بھی ہماری اس جنت کو دوزخ میں تبدیل کرنا چاہتی ہیں۔ أعاذنا اللّٰه منه!

چنانچہ انہی دو طبقوں کے نامناسب رویے کے پیش نظر راقم نے قدرے تفصیل سے مسئلہ ولایت نکاح کا جائزہ لیا ہے۔ جس میں ایک طرف قرآن وحدیث کے وہ واضح دلائل پیش کیے گئے ہیں' جن سے واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر کیا ہوا نکاح غیر صحیح اور باطل ہے۔ دوسرے' اس کے برعکس جواز کا فتوی اور فیصلہ دینے والوں کے دلائل پر نقد و محاکمہ کر کے ان کے موقف کی کمزوری کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تیسرے نمبر پر واضح کیا گیا ہے کہ صحت نکاح کے لئے ولی کی شرط والا موقف ہی جمہور علماء و فقہاء کا متفقہ مسلک ہے' حتی کہ امام ابوحنیفہ کی بھی ایک روایت کی رو سے یہی رائے ہے' جسے علامہ انور کاشمیری وغیرہ نے بھی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ مذکورہ دونوں طبقے ہمارے پیش کردہ دلائل و محاکمہ کی روشنی میں اپنے نقطہ نظر پر نظر ثانی اور اس موقف کو اختیار کریں گے جو قرآن وحدیث کی رو سے زیادہ محکم بھی ہے اور معاشرتی بے راہ روی کے بڑھتے ہوئے طوفان کے سد باب کے لئے ضروری بھی۔ **واللہ ھو الموفق وھو الھادی الی سواء السبیل۔**

رجب المرجب ۱۴۲۰ھ — صلاح الدین یوسف

اکتوبر 1999ء — مدیر: شعبہ ترجمہ وتحقیق' دار السلام' لاہور

مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں ؟

ایک سلگتا ہوا معاشی مسئلہ

نوعیت مسئلہ: بلوغت کے بعد بچی کی شادی ایک اہم مسئلہ ہے' ہے تو نوجوان بچے کی شادی بھی اہم' کیونکہ دونوں کی بابت نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ بالغ ہونے کے بعد شادی میں تاخیر نہ کی جائے۔ تاہم مسلمان معاشرے میں نوجوان بچی کی شادی کا مسئلہ بہت زیادہ اہم ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے پردے کی پابندی ہے' اپنے ابدی محرموں کے علاوہ دوسرے مردوں سے میل ملاقات پر پابندی ہے' فکر معاش سے اسلام نے اسے آزاد رکھا ہے' اس لئے معاشی جدوجہد کی خاطر بھی اسے باہر جانے اور لوگوں سے میل جول کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اسلام کی ان تعلیمات کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے کہ اس کی شادی کی تمام تر ذمہ داری اس کے اولیاء پر ہو' وہی اس کے لئے مناسب بر تلاش اور شادی کے جملہ انتظامات کا بندوبست کریں۔

والدین کے دل میں اولاد کی محبت' ایک فطری چیز ہے۔ یہ فطری محبت ہی والدین کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنی نوجوان بچی کے لئے مناسب ترین

رشتہ تلاش کریں جو ظاہری اور معنوی لحاظ سے موزوں تر ہو۔ والدین سے زیادہ اولاد کا کوئی خیر خواہ نہیں ہو سکتا' چنانچہ وہ شادی کے موقعے پر اپنی خیر خواہی کا حق اس طرح ادا کرتے ہیں کہ بہتر سے بہتر رشتہ تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر وبیشتر اسلامی معاشرے میں شادی کا مسئلہ خیر وخوبی کے ساتھ انجام پا جاتا ہے اور والدین اور اولاد کے درمیان کوئی اختلاف رونما نہیں ہوتا۔

کسی موقعے پر اس فطری داعیے میں کمی کا امکان بھی ہے۔ ہو سکتا ہے والدین بعض دفعہ بچی کی خواہش اور جذبات کے مقابلے میں دوسرے عوامل واسباب کو ترجیح دینا پسند کریں اور یوں نوجوان بچی کا مستقبل تاریک ہو جائے۔ ایسا اگرچہ شاذونادر ہی ہوتا ہے' تاہم اس کے وقوع وظہور سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اسلام نے اس کے سد باب کے لئے نہایت واضح ہدایت دے دی ہے' اور وہ یہ کہ اولیاء شادی کرتے وقت بچی کی رضا مندی بھی ضرور حاصل کریں۔ اگر ایک رشتہ بچی کو پسند نہیں ہے تو اس کے لئے دوسرا' تیسرا رشتہ تلاش کریں تاآنکہ وہ راضی ہو جائے یا اس کو قائل کر کے راضی کر لیا جائے۔ والدین کو ایسی جگہ شادی کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے جہاں بچی شادی کرنا پسند نہیں کرتی۔ انہیں جبر کے ذریعے سے شادی کرنے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔ حتی کہ اگر والدین بچی کی رضا مندی حاصل کیے بغیر جبر واکراہ کے ذریعے سے اس کی شادی کر دیں گے تو شریعت نے نوجوان لڑکی کو ایسا نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے' وہ عدالت یا پنچایت کے ذریعے سے ایسا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے اس طرح جبراً

اپنی لڑکی کا نکاح' اس کی مرضی کے خلاف کر دیا' تو نبی ﷺ نے اسے اختیار دے دیا کہ اگر وہ چاہے تو نکاح فسخ کروالے۔ (صحیح بخاری' کتاب النکاح و دیگر کتب حدیث)

تاہم کسی نوجوان لڑکی کو یہ اجازت حاصل نہیں ہے کہ وہ والدین کی اجازت اور رضامندی کے بغیر' گھر سے راہ فرار اختیار کر کے' کسی عدالت میں یا کسی اور جگہ جاکر از خود کسی سے نکاح رچالے۔ ایسا نکاح باطل ہو گا' وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہو گا' نکاح کی صحت کے لئے ولی کی اجازت' رضامندی اور موجودگی ضروری ہے۔ اس اعتبار سے لو (Love) میرج (محبت کی شادی) کورٹ میرج (عدالتی شادی) اور سیکرٹ میرج (خفیہ شادی) قطعاً ناجائز ہیں۔ ایک اسلامی معاشرے میں ان کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اسلام کی واضح تعلیمات سے انحراف پایا جاتا ہے۔

اسلام کی مذکورہ تعلیم میں بڑا اعتدال وتوازن ہے' لڑکی کو تاکید ہے کہ والدین نے اسے پالا پوسا ہے' اس کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا ہے' وہ مستقبل میں بھی جب کہ وہ اپنی نوجوان بچی کو دوسرے خاندان میں بھیج رہے ہیں' اس کے لئے روشن امکانات دیکھ رہے ہیں اور اس کی روشنی میں ہی انہوں نے اس کے مستقبل کا فیصلہ کیا ہے' اس لئے وہ اپنے محسن' خیر خواہ اور مشفق وہمدرد والدین کے فیصلے کو رضامندی سے قبول کرلے۔ دوسری طرف والدین کو لڑکی پر جبر کرنے اور اس کی رضامندی حاصل کئے بغیر اس کی شادی کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اگر کوئی ولی بالجبر ایسا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو فقہاء نے ایسے ولی کو ولیٔ عاضل (غیر مشفق) قرار دے کر ولیٔ ابعد کو آگے بڑھ کر اس کی شادی

کرنے کی تلقین کی ہے' ولیٔ ابعد بھی کسی وجہ سے اس کا اہتمام کرنے سے قاصر ہو تو عدالت یا پنچایت یہ فریضہ سرانجام دے گی۔ فقہاء کے اس فیصلے یا تلقین کی بنیاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی طبرانی اوسط کی یہ حدیث ہے جس کی سند کو حسن قرار دیا گیا ہے:

«لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ مُرْشِدٍ أَوْ سُلْطَانٍ»

(فتح الباري، كتاب النكاح، باب السلطان ولي...)

"ولیٔ مرشد یا سلطان کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔"

اس کی دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے' جس میں ولی کی اجازت کے بغیر کیے گئے نکاح کو باطل کہا گیا ہے' اس میں آگے یہ الفاظ ہیں:

«فَإِنِ اشْتَجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لاَّ وَلِيَّ لَهَا»(أبوداؤد، ترمذي، ابن ماجه، بحواله ارواء الغليل٦/ ٢٤٣-٢٦٠)

"اگر ولی آپس میں لڑیں تو اس عورت کا ولی سلطان ہے جس کا کوئی ولی نہیں۔"

اس جھگڑے سے مراد ایسا جھگڑا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ اس کے نکاح میں رکاوٹ بن جائیں تو ایسے اولیاء کو عاضل (غیر مشفق اور نااہل) قرار دے کر ولیٔ ابعد یا سلطان (قاضی' یا حاکم مجاز) کو ولی بنایا جائے گا۔ چنانچہ صاحب سبل السلام فرماتے ہیں:

«وَالْمُرَادُ بِالإِشْتِجَارِ مَنْعُ الأَوْلِيَآءِ مِنَ الْعَقْدِ عَلَيْهَا وَهٰذَا هُوَ الْعَضْلُ وَبِهِ تَنْتَقِلُ الْوِلاَيَةُ إِلَى السُّلْطَانِ إِنْ عَضَلَ الأَقْرَبُ، وَقِيْلَ بَلْ تَنْتَقِلُ إِلَى الأَبْعَدِ، وَانْتِقَالُهَا إِلَى

السُّلْطَانِ مَبْنِيٌّ عَلَى مَنْعِ الأَقْرَبِ الأَبْعَدَ، وَهُوَ مُحْتَمَلٌ وَدَلَّ عَلَى أَنَّ السُّلْطَانَ وَلِيُّ مَنْ لاَّ وَلِيَّ لَهَا لِعَدَمِهِ أَوْ لِمَنْعِهِ وَمِثْلُهُمَا غَيْبَةُ الْوَلِيِّ»(سبل السلام۳/۱۱۶، کتاب النکاح)

''اور اولیاء کے جھگڑے سے مراد ان کا عورت کا نکاح کرنے سے انکار کرنا ہے اور یہی عضل ہے جس کی وجہ سے ولایت' سلطان کی طرف منتقل ہو جائے گی اگر ولئ اقرب غیر مشفقانہ رویہ اختیار کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ ولایت' ولئ ابعد کی طرف منتقل ہو گی اور سلطان کی طرف ولایت کا انتقال اس بات پر مبنی ہے کہ ولئ اقرب' ولئ ابعد کو بھی شادی کرنے سے روک دے اور یہ قرین قیاس ہے۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ سلطان ہر اس عورت کا ولی ہے' جس کا ولی نہ ہو۔ وہ سرے سے ہی نہ ہو یا اس کے نکاح سے روکنے کی وجہ سے اس کو ولی بننے سے روک دیا گیا ہو' اسی طرح وہ (ولی) غیر موجود ہو'' (تینوں صورتوں میں سلطان وقت ولی کے فرائض انجام دے گا)

بعض فقہاء نے عضل ولی کے لئے قرآن کریم کی آیت ﴿ فَلا تَعْضُلُوْهُنَّ ﴾ (البقرۃ:۲۳۲) ''تم عورتوں کو (ان کی پسندیدہ جگہوں پر دوبارہ شادی کرنے سے) مت روکو'' سے بھی استدلال کیا ہے' جو بالکل صحیح ہے۔ (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) اس سے واضح ہے کہ لڑکی کی رضامندی کا مسئلہ بھی اتنا اہم ہے کہ اسے نظر انداز کرنے والے ولی کو حق ولایت سے ہی محروم کر دیا جا سکتا ہے۔ اس مقام پر ضروری ہے کہ جبر اور عضل کا صحیح مفہوم بھی واضح کر دیا جائے تاکہ مسئلے کی نوعیت میں کوئی ابہام نہ رہے۔

جبر اور عضل کا مفہوم : بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ لڑکی بلاوجہ خود سری کا مظاہرہ کرتی ہے یا جذبات میں آکر والدین کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیتی ہے' جب کہ والدین کا فیصلہ خیر خواہی اور دور اندیشی پر مبنی ہونے کے علاوہ دین ودنیا کی مصلحتوں کے بھی مطابق ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر والدین کو اپنی بالغ (مگر عقل وشعور کے اعتبار سے نابالغ) بچی کو سمجھانے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ بعض دفعہ اپنے اختیارات بھی بروئے کار لانے پڑتے ہیں۔ یہ جبر نہیں ہے بلکہ خیر خواہی اور حق ولایت کا ناگزیر تقاضا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو عند اللہ حق نصیحت اور حق ولایت کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب قرار پائیں گے۔ کیونکہ دین ودنیا کی مصلحتوں کو جس طرح سرد وگرم چشیدہ والدین سمجھ سکتے ہیں' ایک نوجوان بچی نہیں سمجھ سکتی۔

جبر' دراصل یہ ہے کہ ولی اپنے مفادات کی خاطر نوجوان بچی کے مفادات اور اس کے مستقبل کو نظر انداز کر دے' جیسے کوئی شخص اپنی نوجوان بچی کا نکاح کسی عمر رسیدہ شخص سے کرنے پر اصرار کرے' یا پیسے کے لالچ میں بے جوڑ شادی کرنا چاہے' یا اور اس قسم کی کوئی صورت ہو جو بچی کے لئے ناپسندیدہ ہو۔ ان صورتوں میں والد یا ولی کو جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح مثلاً اگر کوئی باپ اپنی نوجوان بچی کی شادی اس لئے نہیں کرتا کہ اس کی زمین یا جائیداد تقسیم ہو جائے گی' یا لڑکی اچھی ملازمت کرتی ہے یا گھر میں رہ کر کوئی آمدنی والا کام کرتی ہے تو وہ اس کی شادی نہ کرے تاکہ اس کی آمدنی سے وہ محروم نہ ہو' یا اس لئے شادی نہ کرے کہ وہ اس کی خدمت سے محروم ہو

جائے گا' ان تمام صورتوں میں ایسے ولی کو عاضل قرار دے کر' ولیٔ ابعد یا حاکم مجاز کے ذریعے سے بچی کی شادی کا انتظام کیا جائے گا۔

یہ ہے مسئلے کی اصل نوعیت۔ اس اعتبار سے جہاں والدین اور نوجوان بچی کے درمیان شادی کے مسئلے میں اختلاف ہو' یا نوجوان بچی گھر سے فرار ہو کر کسی آشنا کے ساتھ شادی کر لے۔ اور معاملہ عدالت یا پنچایت میں پہنچے تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ بچی کا یہ اقدام واقعی والدین کے ناجائز جبر یا عضل کا نتیجہ ہے؟ یا بچی نا سمجھی' خود سری اور بغاوت کا مظاہرہ کر رہی ہے؟ اگر پہلی صورت ہے تو یقیناً اسے والدین کے ظلم وجبر سے بچاکر اس کی شادی کا' اور اگر شادی کر چکی ہو تو اس کے تحفظ کا اہتمام کرنا چاہیۓ۔ لیکن دوسری صورت میں وہ قطعاً کسی امداد وتعاون کی مستحق نہیں ہے' وہاں والدین کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے تاکہ معاشرہ انتشار سے محفوظ رہے اور اگر اس نے والدین کی رضا مندی کے بغیر از خود کسی سے نکاح کر لیا ہے' جب کہ والدین اس کے سچے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں تو ایسے نکاح کو باطل قرار دے کر ایسی لڑکی کو والدین کے سپرد کیا جائے۔

آج کل عدالتوں میں نوجوان لڑکیوں کے از خود نکاح کرنے کے جو مقدمات پیش ہو رہے ہیں' ان میں مذکورہ دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا تعین اور تحقیق کیۓ بغیر' صرف اس بنیاد پر فیصلہ کرنا یا بعض علماء کا فتویٰ دینا کہ نوجوان لڑکی ولایت کی محتاج نہیں ہے' اس لئے یہ نکاح جائز ہے۔ قرآن وحدیث کی رو سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء وفقہاء کے مسلک کی روشنی میں بالکل غلط ہے۔ عدالتیں' اگر قرآن وحدیث کو اپنا حَکَم مانتی ہیں تو وہ ایسا فیصلہ دینے

کی مجاز نہیں ہیں اور علماء بھی اگر ﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ (النساء:۵۹) ''اگر تمہارے درمیان کسی چیز کی بابت جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو'' پر صدق دل سے عمل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں بھی مذکورہ نکاحوں کے جواز کا مطلقاً فتویٰ دینے سے گریز کرنا چاہیے' کیونکہ ولی کی اجازت کے بغیر کوئی نکاح صحیح نہیں ہے۔ ولی' جابر یا عاضل ہو گا تو ولیِ ابعد یا عدالت نکاح کرائے گی۔ لیکن کسی بالغ لڑکی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بھاگ کر یا چھپ کر اپنا نکاح خود کر لے۔ اس کے دلائل اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں:

مسئلہ ولایت نکاح اور اس کے دلائل

ولایت نکاح کا یہ مسئلہ یعنی جوان لڑکی کے نکاح کے لئے ولی کی اجازت اور رضامندی ضروری ہے' قرآن وحدیث کی نصوص سے واضح ہے' لیکن موجودہ مسلمانوں کے اسلام سے عملی انحراف نے جہاں شریعت کے بہت سے مسائل کو غیر اہم بنا دیا ہے' اس مسئلے سے بھی اغماض واعراض اختیار کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں ایک فقہی مکتب فکر کے غیر واضح موقف کو بھی اپنی بے راہ روی کے جواز کے لئے بنیاد بنایا جارہا ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلے کی صحیح نوعیت وحقیقت واضح کی جائے' اسی طرح مذکورہ فقہی مسلک سے استدلال کی بے تمکینی کو بھی آشکارا کیا جائے۔

قرآنی دلائل: بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اس مسئلے میں قرآن کریم میں واضح طور پر رہنمائی نہیں ملتی۔ لیکن ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ قرآن کریم سے استدلال کا جو طریقہ اور اسلوب ہے' اس کی رو سے یقیناً ہمیں قرآن کریم سے پوری رہنمائی ملتی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَـٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۟ ﴾

(البقرۃ ۲/ ۲۲۱)

''تم مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح مت کرو جب تک وہ ایمان

نہ لے آئیں..... اور (اپنی عورتوں کو) مشرک مردوں کے نکاح میں مت دو' یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں کو حکم فرمایا کہ تم مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو۔ ہاں اگر وہ ایمان قبول کر لیں تو اور بات ہے' اس وقت ان سے تمہارا نکاح کر لینا صحیح ہو گا۔ لیکن جب مسلمان عورت کو یہ حکم دینے کی ضرورت محسوس کی گئی کہ وہ بھی مشرک مردوں کے ساتھ نکاح نہ کرے تو پھر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی بجائے ان کے اولیاء کو خطاب فرمایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ مسلمان عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کریں۔ ہاں اگر وہ اسلام قبول کر کے مومنین میں شامل ہو جائیں تو پھر تم اپنی بچیوں کو ان کے عقد نکاح میں دے سکتے ہو۔ قرآن کریم کے اس انداز بیان سے واضح ہے کہ مسلمان عورت اپنے نکاح کا معاملہ از خود طے نہیں کر سکتی۔ اس کے نکاح کا معاملہ اس کے ولی کی وساطت سے ہی انجام پائے گا۔ مفسرین امت نے اس آیت کو اس مسئلے میں "نص" قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ابن حبان اندلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«اَلْقِرَاءَةُ بِضَمِّ التَّاءِ، اِجْمَاعٌ مِّنَ الْقُرَّآءِ وَالْخِطَابُ لِلْاَوْلِيَآءِ . . . وَقَدِ اسْتُدِلَّ بِهٰذَا الْخِطَابِ عَلَى الْوِلَايَةِ فِي النِّكَاحِ وَاَنَّ ذٰلِكَ نَصٌّ فِيْهَا»

(تفسير البحر المحيط ٢/ ١٦٥)

" ﴿ ولا تُنْكِحُوْا ﴾ بالاتفاق تاء کے ضمے (پیش) کے ساتھ ہے اور یہ عورتوں کے اولیاء سے خطاب ہے اور دوسرا مفعول المومنات محذوف ہے۔

(یعنی مومن عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کرو) اس خطاب سے استدلال کیا گیا ہے کہ نکاح میں ولی کی اجازت ضروری ہے اور یہ آیت اس مسئلے میں نص کی حیثیت رکھتی ہے۔" امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«فِيْ هٰذِهِ الآيَةِ دَلِيْلٌ بِالنَّصِّ عَلٰي أَنْ لاَّ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ» (تفسير قرطبي ٣/ ٤٩، طبع بيروت)

"یہ آیت بطور نص اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں۔"

امام ابو جعفر محمد بن علی بن حسین فرماتے ہیں:

«اَلنِّكَاحُ بِوَلِيٍّ فِيْ كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى»

"اللہ کی کتاب میں نکاح ولی کی اجازت کے ساتھ ہے۔"

پھر انہوں نے استدلال کے طور پر آیت ﴿ وَلَا تُنْكِحُوْا ..... ﴾ پڑھی۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«كَانَ أَبُوْجَعْفَرِ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ يَقُوْلُ: هٰذَا الْقَوْلُ مِنَ اللهِ تَعَالٰى ذِكْرُهُ، دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ اَوْلِيَاءَ الْمَرْأَةِ أَحَقُّ بِتَزْوِيْجِهَا مِنَ الْمَرْأَةِ»(تفسير طبري ، صفحة مذكور)

"ابو جعفر محمد بن علی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے اولیاء عورت کا نکاح کرنے کے معاملے میں' عورت کے مقابلے میں زیادہ حق دار ہیں۔"

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«هٰذَا خِطَابٌ لِلأَوْلِيَاءِ لاَ لِلنِّسَاءِ»(المحلى ٩/ ٤٢١)

"آیت میں یہ خطاب عورت کے اولیاء کو ہے نہ کہ عورتوں کو"

علامہ رشید رضا مصری رحمۃ اللہ علیہ' تفسیر المنار میں فرماتے ہیں:

«وَالتَّعْبِيْرُ تَنْكِحُوْا، وَتُنْكِحُوْا(بِفَتْحِ التَّاءِ وَضَمِّهَا) يُشْعِرُ بِأَنَّ الرِّجَالَ هُمُ الَّذِيْنَ يُزَوِّجُوْنَ أَنْفُسَهُمْ وَيُزَوِّجُوْنَ النِّسَاءَ اللَّوَاتِيْ يَتَوَلَّوْنَ أَمْرَهُنَّ وَأَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تُزَوِّجُ نَفْسَهَا بِالْإِسْتِقْلَالِ وَلَا بُدَّ مِنَ الْوَلِيِّ»(تفسیر المنار ۲/ ۳۵۱)

"پہلے «تَنْكِحُوْا» (تاء کے زبر کے ساتھ) اور پھر «تُنْكِحُوْا» (تاء کے پیش کے ساتھ) تعبیر کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مرد ہی اپنا اور ان عورتوں کا نکاح کرنے کا اختیار رکھتے ہیں جن کے معاملات کے وہ ذمے دار ہیں اور عورت مرد کی اجازت کے بغیر از خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی' اس کے لئے ولی ضروری ہے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ﴿ وَلَا تُنْكِحُوْا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ﴿ وَلَا تَنْكَحُوا الْمُشْرِكَاتِ ﴾ جو (فعل لازم اور متعدی کا) فرق ہے' اس سے بھی بعض سلف نے یہ حجت پکڑی ہے کہ عورت از خود نکاح نہیں کر سکتی' ان کے نکاح کا بندوبست کرنا اولیاء کی ذمے داری ہے۔" (فتاویٰ:۳۲/ ۱۳۲)

قاضی ابن العربی' محمد بن علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

«اَلنِّكَاحُ بِوَلِيٍّ فِيْ كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى»

"اللہ کی کتاب میں نکاح ولی کی اجازت کے ساتھ ہے۔"

نقل کر کے فرماتے ہیں:

«وَهِيَ مَسْئَلَةٌ بَدِيْعَةٌ وَدَلَالَةٌ صَحِيْحَةٌ»

(احکام القرآن ۱/ ۱۵۸)

"یہ انوکھا مسئلہ ہے اور دلالت صحیح ہے۔"

یعنی ولایت نکاح کا مسئلہ انوکھی اہمیت کا حامل ہے اور اس آیت سے ولی کی اجازت کے ضروری ہونے کا اثبات' صحیح ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ زیر استدلال آیت مذکور' مسئلہ زیر بحث میں نص صریح کی حیثیت رکھتی ہے جو مسئلے کے اثبات میں دلیل قاطع سمجھی جاتی ہے۔ فقہاء نے قرآن سے استدلال کی چار صورتیں بیان کی ہیں' عبارۃ النص' اشارۃ النص' دلالت النص اور اقتضاء النص چاروں طریقوں سے استدلال صحیح ہے۔ اور ان میں سب سے زیادہ واضح پہلی صورت ہے۔ یعنی عبارۃ النص اور اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: ((فهو ماسیق الکلام لاجله وارید به قصدًا)) (اصول الشاشی :۲۸- مطبع مجتبائی دہلی) یعنی بطور قصد کے وہ کلام اس حکم کے اثبات کے لئے ہی لایا گیا ہو۔ اور مذکورہ مفسرین اور فقہاء کے اقوال میں اس آیت کو مسئلہ زیر بحث میں نص قرار دیا گیا ہے جس سے واضح ہے کہ یہ آیت ولایت نکاح کے اثبات ہی کے لئے ہے۔ اور اگر اسے نص نہ بھی سمجھا جائے' تب بھی اشارۃ النص سے کم تر تو اس کی حیثیت کسی صورت میں نہیں ہے اور اشارۃ النص سے بھی مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے۔ اشارۃ النص کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: ((فهي ماثبت بنظم النص من غير زيادة وهو غير ظاهر من كل وجهٍ ولا سيق الكلام لاجله)) (اصول الشاشی) "جو نص (آیت) کے نظم ونسق سے بغیر کسی (مقدر کی) زیادتی کے ثابت ہو۔ اور وہ ہر

طریقے سے واضح ہو اور نہ کلام اس کی وجہ سے لایا گیا ہو۔"

قرآن کریم کی دوسری آیت ہے:

﴿وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَـٰمَىٰ مِنكُمْ﴾ (النور ٢٤/ ٣٢)

"تمہارے اندر جو بے شوہر ہیں' ان کے نکاح کر دو"

اس میں بھی باکرہ اور بیوہ عورتوں کے اولیاء سے خطاب کر کے انہیں ان کے نکاح کا بندوبست کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ امام بغوی رحمہ اللہ اس آیت کے ماتحت فرماتے ہیں:

«فِي ٱلْآيَةِ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ تَزْوِيْجَ النِّسَآءِ الْأَيَامٰى إِلَى الْأَوْلِيَآءِ لِأَنَّ اللهَ تَعَالٰى خَاطَبَهُمْ بِهِ، كَمَا أَنَّ تَزْوِيْجَ الْعَبِيْدِ وَالْإِمَاءِ إِلَى السَّادَاتِ ...وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ»

(معالم التنزيل، المعروف تفسير البغوي٣/ ٧٣ طبع لاهور)

"آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ بے شوہر عورتوں کی شادی کا بندوبست کرنا اولیاء کی ذمے داری ہے' اس لئے کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے ان ہی سے خطاب فرمایا ہے۔ جیسے غلاموں اور لونڈیوں کی شادی ان کے آقاؤں کی ذمے داری ہے۔ ...... اور یہی اکثر اہل علم صحابہ اور مابعد کے لوگوں کا قول ہے۔"

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«هٰذِهِ الْمُخَاطَبَةُ تَدْخُلُ فِيْ بَابِ السَّتْرِ وَالصَّلَاحِ أَيْ زَوِّجُوْا مَنْ لَّا زَوْجَ لَهُ مِنْكُمْ، فَإِنَّهُ طَرِيْقُ التَّعَفُّفِ،

وَالْخِطَابُ لِلاَوْلِيَآءِ وَقِيْلَ لِلاَزْوَاجِ، وَالصَّحِيْحُ الاَوَّلُ، إِذْ لَوْ أَرَادَ الاَزْوَاجَ لَقَالَ وَانْكِحُوْا، بغَيْرِ هَمْزٍ، وَكَانَتِ الاَلِفُ لِلْوَصْلِ، وَفِيْ هٰذَا دَلِيْلٌ عَلَي أَنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَ لَهَا أَنْ تُنْكِحَ نَفْسَهَا بِغَيْرِ وَلِيٍّ، وَهُوَ قَوْلُ اَكْثَرِ الْعُلَمَآءِ» (القرطبي ۱۲/ ۲۳۹)

"یہ انداز گفتگو حفاظت اور صلاح کے باب سے ہے یعنی تم میں سے جو بے شوہر ہے اس کی شادی کر دو' اس لئے کہ یہی عفت وپاک دامنی کا راستہ ہے اور یہ خطاب اولیاء سے ہے' بعض کے نزدیک یہ خاوندوں سے خطاب ہے' لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اگر خاوندوں سے خطاب کرنا چاہتا تو بغیر ہمزہ (قطعی) کے ﴿ اِنْكِحُوْا ﴾ فرماتا' جس میں الف وصل کے لئے ہوتا ہے (جو ماقبل کے لفظ کے ساتھ ملنے سے گر جاتا اور فعل لازم کی علامت ہوتا ہے) اور اس (فعل متعدی کے لانے) میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ولی کے بغیر اپنا نکاح کر لے' اور یہی اکثر علماء کی رائے ہے"

قاضی ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کی تشریح میں تقریباً یہی بات لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ((اَنْكِحُوْا)) میں ہمزہ قطعی کا استعمال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خطاب اولیاء سے ہے اور یہی بات صحیح ہے نہ کہ ان کی جو اس کا مخاطب خاوندوں کو قرار دیتے ہیں۔ (احکام القرآن:۳/ ۱۳۶۴)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«وَالْخِطَابُ فِي الآيَةِ لِلاَوْلِيَآءِ وَقِيْلَ لِلاَزْوَاجِ، وَالاَوَّلُ

اَرْجَحُ، وَفِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ الْمَرْأَةَ لاَ تَنْكِحُ نَفْسَهَا»

(تفسیر فتح القدیر ٤/ ٤١ طبع جدید)

"آیت میں خطاب اولیاء سے ہے' بعض کے نزدیک خطاب خاوندوں سے ہے' لیکن پہلی بات زیادہ راجح ہے اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی۔"

شیخ محمد طاہر ابن عاشور فرماتے ہیں:

«فَأَمَرَ الاَوْلِيَاءَ بِأَنَّ يُزَوِّجُوْا اَيَامَاهُمْ»

(تفسیر التحریر والتنویر ١٨/ ٢١٥)

"اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو حکم دیا کہ ان کے اندر جو بے شوہر ہیں' ان کا نکاح کر دیں۔"

قرآن کریم کی تیسری آیت ہے:

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَٰجَهُنَّ ﴾ (البقرة ٢/ ٢٣٢)

"جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو تم ان کو اپنے (سابقہ) خاوندوں سے نکاح کرنے سے مت روکو"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

"یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنی بیوی کو ایک طلاق یا دو طلاقیں دے دے' پھر اس کی عدت پوری ہو جائے تو خاوند اس سے (دوبارہ) شادی یا رجوع کرنا چاہے اور عورت بھی اس پر رضا مند ہو' لیکن اس کے اولیاء اس کو ایسا کرنے سے روک دیں' تو اللہ تعالیٰ نے اولیائے عورت کو

اس طرح عورت کو (شادی کرنے سے) روکنے سے منع فرما دیا... امام مسروق' ضحاک' ابراہیم نخعی' امام زہری رحمۃ اللہ علیہم نے بھی کہا ہے کہ یہ آیت اسی مسئلے میں نازل ہوئی ہے۔ اور ان لوگوں نے جو یہ بات کہی ہے' آیت کے ظاہری مفہوم کے عین مطابق ہے اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت یہ اختیار نہیں رکھتی کہ وہ اپنا نکاح خود کر لے' بلکہ نکاح کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے' جیسا کہ امام ترمذی اور امام ابن جریر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے" (ابن کثیر:۱/۲۸۲)

اور امام شافعی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

"میں نہیں جانتا کہ آیت اس مفہوم کے علاوہ کسی اور مفہوم کا احتمال بھی رکھتی ہے' اس لئے کہ جو اولیاء روکنے کا سبب بن سکتے ہیں' کیونکہ نکاح ان ہی کی رضا مندی سے پایہٴ تکمیل کو پہنچتا ہے' ان کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ عورت کو سابقہ خاوند سے شادی کرنے سے روک دیں۔ اور خاوند جب عورت کو طلاق دے دے' پھر اس کی عدت گزر جائے تو اس کے لئے اس امر کا کوئی راستہ ہی نہیں رہتا کہ وہ عورت کو روک سکے اور اگر اس کی عدت نہیں گزری ہے تو عورت کے لئے کسی اور سے نکاح کرنا ہی حرام ہے۔ جب کہ وہ (سابقہ خاوند) اپنے نفس سے اسے نہیں روک رہا ہے۔ اور یہ قرآن میں جو کچھ ہے اس سے بالکل واضح ہے کہ عورت کے مقابلے میں ولی کا حق فائق ہے اور ولی پر فرض ہے کہ جب عورت رضا مند ہو تو اسے دستور کے مطابق نکاح کرنے سے نہ روکے۔ (کتاب الام' باب لا نکاح اِلاَّ بولیٍّ:۵/۱۲۔ طبع مصر)

گویا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آیت نکاح کے اثبات میں واضح ترین

ہے۔ امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

«وَفِيْ هٰذِهِ الآيَةِ الدَّلاَلَةُ الْوَاضِحَةُ عَلٰى قَوْلِ مَنْ قَالَ لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ»(تفسير طبري٢/ ٤٨٨)

"اس آیت سے صاف واضح ہے کہ ان لوگوں کی رائے صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں۔"

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«وَفِي الآيَةِ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ الْمَرْأَةَ لاَ تَلِيْ عَقْدَ النِّكَاحِ، اِذْ لَوْ كَانَتْ تَمْلِكُ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ هُنَاكَ عَضْلٌ وَلاَ لِنَهْيِ الْوَلِيِّ عَنِ الْعَضْلِ مَعْنًى»

(تفسير معالم التنزيل١/ ٢١١)

"یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ عورت عقد نکاح میں ولایت کا کردار ادا نہیں کر سکتی' کیونکہ اگر وہ اس کا اختیار رکھتی تو اسے وہاں روکا ہی نہیں جاتا اور نہ ولی کو روکنے سے ممانعت کے کوئی معنی ہی رہتے ہیں۔"

آیت مذکورہ کی شان نزول: اس آیت کے نزول کا جو سبب ہے وہ صحیح روایات میں بیان ہوا ہے' جس سے آیت کا وہ مفہوم متعین ہو جاتا ہے جو مذکورہ سطور میں مفسرین نے بیان فرمایا ہے' اس لئے روایت کی شان نزول کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میں نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح ایک آدمی سے کیا' کچھ

عرصے کے بعد اس نے طلاق دے دی حتی کہ جب عدت گزر گئی تو اس نے پھر نکاح کا پیغام بھیجا' جس پر میں نے اس سے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ تیرا نکاح کیا' اس کو تیرا بستر بنایا' تیری عزت کی' لیکن تو نے اسے طلاق دے دی' اور اب پھر نکاح کا پیغام لے کر آگیا ہے' اللہ کی قسم! اب وہ کبھی تیری طرف نہیں لوٹے گی۔ اور وہ آدمی برا نہیں تھا اور عورت (میری بہن) بھی اس کے ساتھ رجوع کرنا چاہتی تھی' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی' جسے سن کر میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اب میں ان کا آپس میں نکاح کر دوں گا۔ چنانچہ میں نے اس کے ساتھ اس کا (دوبارہ) نکاح کر دیا۔ (صحیح بخاری = کتاب النکاح - باب من قال لا نکاح اِلا بِوَلِیٍّ) قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«اَلْعَضْلُ، يَتَصَرَّفُ عَلٰى وُجُوْهٍ مَرْجِعُهَا إِلَى الْمَنْعِ وَهُوَ الْمُرَادُ هَاهُنَا، فَنَهَى اللهُ تَعَالَى اَوْلِيَاءَ الْمَرْأَةِ مِنْ مَنْعِهَا عَنْ نِكَاحِ مَنْ تَرْضَاهُ، وَهٰذَا دَلِيْلٌ قَاطِعٌ عَلٰى أَنَّ الْمَرْأَةَ لاَ حَقَّ لَهَا فِيْ مُبَاشَرَةِ النِّكَاحِ، وَإِنَّمَا هُوَ حَقُّ الْوَلِيِّ »(احکام القرآن ۱/ ۲۰۱)

"عضل کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں' ان سب کا مآل (انجام کار) منع کر دینا ہے' اور یہاں آیت میں یہی مراد ہے۔ اور یہ اس بات کی قطعی (فیصلہ کن) دلیل ہے کہ نکاح کرنے کے معاملے میں عورت کا کوئی حق نہیں' یہ حق صرف ولی کو حاصل ہے۔"

امام قرطبی فرماتے ہیں:

«وَهٰذِهِ الآيَةُ نَزَلَتْ فِيْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ إِذْ عَضَلَ أُخْتَهُ عَنْ مُرَاجَعَةِ زَوْجِهَا، قَالَهُ الْبُخَارِيُّ، وَلَوْلاَ أَنَّ لَهُ حَقًّا فِي النِّكَاحِ مَا نُهِيَ عَنِ الْعَضْلِ»

(تفسير قرطبي ٣/ ٧٢)

''یہ آیت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی' جب انہوں نے اپنی بہن کو اپنے پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرنے سے روک دیا تھا' یہ واقعہ امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ اگر اس کے بھائی کو نکاح کرانے کا اختیار نہ ہوتا' تو اسے یہ کیوں کہا جاتا کہ وہ نکاح کرنے سے نہ روکے۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''نکاح میں ولی کے شرط ہونے کی بابت علماء کے درمیان اختلاف ہے' جمہور اس کے قائل ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ عورت اپنا نکاح از خود نہیں کر سکتی' انہوں نے اس کا اثبات مذکورہ احادیث سے کیا ہے' اور ان میں سب سے قوی دلیل یہی واقعہ ہے جو قرآن کریم کی آیت مذکورہ کے نزول کا سبب ہے' اور یہ آیت اس بات پر کہ نکاح میں ولی کی رضامندی ضروری ہے۔ سب سے واضح دلیل ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو یہ کہنے کا' کہ ''انہیں مت روکو'' کوئی معنی نہیں رہتے' علاوہ ازیں اگر وہ عورت از خود نکاح کرنے کی مجاز ہوتی تو وہ اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتی۔'' (فتح الباری' باب مذکور)

اور صاحب سبل السلام امیر صنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ (سلف) نے اس واقعے سے یہی بات سمجھی ہے کہ اولیاء کی اجازت ضروری ہے اور انہوں نے قسم کا کفارہ ادا کرنے اور

نکاح کرنے میں جلدی کی (یہ اشارہ ہے بعض روایات کی رو سے حضرت معقل کے قسم کھا لینے اور پھر اسے توڑ کر اپنی بہن کا نکاح کر دینے کی طرف) اگر اولیاء کا عورتوں پر اختیار ہی نہ ہوتا' تو اللہ تعالیٰ اسے کھول کر بیان فرما دیتا' بلکہ اس کے برعکس اللہ نے متعدد آیات میں اولیاء کے حق کو تکرار کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور ایک حرف بھی اس امر کی بابت نہیں بولا کہ عورت کو از خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس سے اس طرف بھی رہنمائی ملتی ہے کہ جن آیات میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف ہے۔ جیسے ﴿ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا ﴾ (البقرۃ:۲/۲۳۰) اس سے مراد بھی ولی کی اجازت سے ان کے نکاح کا انعقاد ہے نہ کہ از خود نکاح کر لینا۔ اس لئے کہ اگر اس آیت سے نبی ﷺ یہ سمجھتے کہ عورت از خود اپنا نکاح کر سکتی ہے تو آپ اس آیت کے نزول کے بعد اس عورت کو خود اپنا نکاح کر لینے کا حکم فرما دیتے اور اس کے بھائی پر یہ واضح کر دیتے کہ تجھے اس پر ولایت کا حق نہیں ہے اور اس کے لئے اپنی قسم کا توڑنا اور اس کا کفارہ ادا کرنا جائز نہ ہوتا۔" (سبل السلام= کتاب النکاح:۳/۱۱۸)

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

«وَقَدْ صَحَّ أَنَّ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ كَانَتْ لَهُ أُخْتٌ فَطَلَّقَهَا زَوْجُهَا، فَلَمَّا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا خَطَبَهَا، فَأَبٰى مَعْقِلٌ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذِهِ الآيَةَ، وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَقٌّ لَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهِ ﷺ لاَ كَلاَمَ لِمَعْقِلٍ فِيْ ذٰلِكَ» (احکام القرآن ۱/ ۲۰۱)

"صحیح حدیث ہے کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو اس کے خاوند نے

طلاق دے دی' جب اس کی عدت گزر گئی تو اس نے پھر نکاح کا پیغام بھیج دیا' جس پر معقل رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا' پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔ اگر معقل کو یہ حق (ولایت) حاصل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے پیغمبر علیہ السلام کو یہ فرماتا کہ معقل کو اس بارے میں کوئی بات کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔"

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس آیت میں ان لوگوں کے موقف کی صحت کی واضح دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ولی' عاصب کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔ اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ولی کو عورت کو' اگر وہ نکاح کرنا چاہے' روکنے سے منع کر دیا' اگر عورت کو' ولی کی اجازت کے بغیر از خود نکاح کرنے کا یا اپنے علاوہ کسی اور عورت کے نکاح کرنے کا اختیار ہوتا تو اس کے ولی کو ایسا کرنے سے روکنے کے کوئی معنی ہی نہ رہتے' اس لئے کہ اس کے لئے تو اس کے روکنے کا کوئی راستہ ہی نہ ہوتا۔ یہ اس طرح کہ اگر عورت کو یہ حق ہوتا کہ جب بھی وہ اپنا نکاح کرنا چاہے یا کسی اور کی وکیل بن کر اس کا نکاح کرنا چاہے تو وہاں کسی کو روکنے کی اجازت ہی نہ ہوتی کہ کوئی روکنے والا اسے روک سکے۔" (تفسیر طبری:۴۸۸/۲)

امام قرطبی' شان نزول کی روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

«إِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَفِي الآيَةِ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّهُ لاَ يَجُوْزُ النِّكَاحُ بِغَيْرِ وَلِيٍّ لأَنَّ أُخْتَ مَعْقِلٍ كَانَتْ ثَيِّبًا وَلَوْ كَانَ الأَمْرُ إِلَيْهَا دُوْنَ وَلِيِّهَا لَزَوَّجَتْ نَفْسَهَا وَلَمْ تَحْتَجَّ إِلٰى وَلِيِّهَا

مَعْقِلٍ، فَالْخِطَابُ إِذًا فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ لِلْاَوْلِيَاءِ وَأَنَّ الْاَمْرَ إِلَيْهِمْ فِي التَّزْوِيْجِ مَعَ رِضَاهُنَّ» (تفسير القرطبي ۳/ ۱۵۸)

"جب یہ واقعہ ثابت ہو گیا تو یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں۔ اس لئے کہ معقل کی بہن بیوہ تھی' اگر نکاح کرنے کا اختیار' ولی کے بغیر صرف اسے ہی ہوتا تو وہ اپنا نکاح خود کر لیتی' اپنے ولی معقل کی وہ محتاج ہی نہ ہوتی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ ﴾ "ان کو مت روکو" میں خطاب اولیاء سے ہے اور عورتوں کی شادی کرنے کا اختیار انہی کو حاصل ہے' تاہم وہ اپنا یہ اختیار ان کی رضامندی کے ساتھ ہی استعمال کرنے کے پابند ہیں۔"

شان نزول اور تفسیری روایات کی اہمیت: قرآن کریم کی کسی آیت سے استدلال میں شان نزول یا حدیث میں بیان کردہ تفسیر کو بہت اہمیت حاصل ہے اور شان نزول یا اس کا مطلب صحیح روایات میں بیان ہوا ہو تو اسی کی روشنی اور پس منظر میں اس آیت کا معنی و مفہوم اور مطلب متعین ہو گا' اسے نظر انداز کر کے اس کی تفسیر غیر صحیح اور گمراہی کا باعث ہو گی۔ اسی لئے صحابہ و تابعین اور ائمہ حدیث شان نزول اور تفسیری روایات کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے اسے اہمیت نہیں دی' وہ گمراہی کا شکار ہوئے اور انہوں نے اُس اسلام کو سمجھنے میں سخت ٹھوکریں کھائیں جو نبی ﷺ پر نازل ہوا۔ اور جس پر صحابہ و تابعین نے عمل کیا اور آج بھی وہ قرآن و احادیث صحیحہ میں موجود اور

محفوظ ہے۔ اس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

* سورہ نساء میں بدکار عورتوں کی وہ سزا بیان کی گئی ہے جو ابتدائے اسلام میں عارضی طور پر تھی اور وہ یہ تھی کہ ان کو گھروں میں محبوس رکھو' یہاں تک کہ ان کو موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راستہ بنائے۔ ﴿ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلاً ﴾ (النساء:١٥) بعد میں اس راستے (سبیل) کی وضاحت یہ کی گئی کہ غیر شادی شدہ زانی مرد وعورت کو سو سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سنگساری کی سزا دی جائے۔ سبیل کی یہ وضاحت نبی ﷺ نے اس موقعے پر فرمائی جب قرآن کریم میں زانیوں کی سزا کا یہ حکم نازل ہوا:

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ (النور ٢٤/ ٢)

"زنا کار عورت اور زنا کار مرد' ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔"

نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا اس کے مطابق بدکار مرد وعورت کی مستقل سزا مقرر کر دی گئی ہے' وہ تم مجھ سے سیکھ لو' اور وہ ہے کنوارے مرد وعورت کے لئے سو سو کوڑے اور شادی شدہ مرد وعورت کو سو سو کوڑے اور ایک سال کے لئے جلاوطنی اور سنگساری کے ذریعے سے مار دینا۔ (صحیح مسلم = کتاب الحدود ۔ باب حد الزنا) پھر نبی ﷺ نے شادی شدہ زانیوں کو عملاً سزائے رجم دی۔ اور سو کوڑے (جو چھوٹی سزا ہے) بڑی سزا میں مدغم ہو گئے اور اب شادی شدہ زانیوں کے لئے سزا' صرف رجم ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور عہد صحابہ میں بھی یہی سزا دی گئی اور بعد میں تمام امت کے فقہاء وعلماء بھی اسی کے قائل رہے اور آج

تک قائل ہیں۔

حد رجم پر امت کا یہ اتفاق اسی بنیاد پر ہے کہ مذکورہ آیت سورہ نور کے شان نزول اور اس کی اس تفسیر کو تسلیم کیا گیا جو صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہے اور اسی بنیاد پر قرآن میں بیان کردہ حد زنا کو صرف کنوارے زانیوں کے لئے مخصوص سمجھا گیا۔ لیکن جن لوگوں نے حدیث کے ماخذ شرعی ہونے سے انکار کیا اور تفسیری روایات اور شان نزول کو اہمیت نہیں دی' بلکہ صرف الفاظ قرآن کے لغوی مفہوم کو کافی سمجھا' وہ گمراہ ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ قرآن کریم میں حد رجم کا بیان نہیں ہے' اس لئے اسلام میں یہ سزا نہیں ہے اور شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں قسم کے زانیوں کے لئے صرف سو کوڑے ہی ہیں جو سورہ نور میں بیان ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ شرعی عدالت کے پہلے چیف جسٹس (جسے اس وقت چیئرمین کہا جاتا تھا) نے بھی اپنے ایک فیصلے میں یہی رائے دی' کیونکہ وہ بھی قرآن فہمی کے لئے حدیث کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ اس فیصلے کے خلاف پورے ملک میں شدید احتجاج ہوا اور اسے مسلمات اسلامیہ سے انحراف قرار دیا گیا۔ یہ احتجاج بجا تھا اور یہ واقعی اجماع امت سے انحراف تھا جو بہت بڑی گمراہی تھی' چنانچہ بعد میں شرعی عدالت میں علماء کو بھی شامل کیا گیا اور دوبارہ قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی عدالت نے اس کی بابت صحیح فیصلہ دیا اور حد رجم کو ایک متفق علیہ اسلامی سزا تسلیم کیا' جو شادی شدہ زانیوں کے لئے ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ شرعی مسائل میں صرف انگریزی دان اور علوم اسلامیہ سے بے بہرہ جج حضرات فیصلہ کرنے کے اہل نہیں' گو وہ

قرآن دانی و قرآن فہمی کا لاکھ دعویٰ کریں' کیونکہ ان کا قرآنی علم صرف اردو تراجم تک محدود ہے' علاوہ ازیں قرآن وحدیث کے باہمی تعلق کی صحیح نوعیت سے بھی وہ بالعموم ناآشنا ہیں' جس کی وجہ سے وہ احادیث کو اہمیت نہیں دیتے اور یوں غلط فیصلہ دے کر اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اور ((ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا)) کا مصداق بنتے ہیں۔ (اعاذنا الله منه)

* اس کی ایک دوسری مثال قرآن کریم کی یہ آیت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد' مطلقہ پہلے خاوند کے لئے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرے۔

﴿ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۰)

نکاح کا لفظ عربی زبان میں عقد نکاح اور ہم بستری (جماع' وطی) دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے بعض لوگوں نے کہا کہ مطلقہ ثلاثہ' اگر کسی شخص سے صرف نکاح کر کے طلاق حاصل کرلے اور اس سے ہم بستری نہ کرے' تو اس کے لئے پہلے خاوند سے نکاح کرنا جائز ہوگا' کیونکہ نکاح کے ایک معنی عقد نکاح کے بھی ہیں۔ جب کہ جمہور علماء وفقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ یہاں نکاح ہم بستری کے معنی میں ہے' کیونکہ صحیح حدیث میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک عورت نے' جس کو اس کے خاوند نے تین طلاقیں دے دی تھیں' اس نے دوسرے شخص سے نکاح کرنے کے بعد' ہم بستری کے بغیر' پہلے خاوند کے ساتھ ہی نکاح کرنا چاہا تو نبی ﷺ نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا اور فرمایا کہ جب تک تو اس کا مزہ اور وہ تیرا مزہ نہ چکھ لے' اس وقت تک تو پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی۔

«لاَ حَتَّى تَذُوْقِىْ عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ»

(صحيح بخاري، كتاب الطلاق، باب: ۳۷)

اس حدیث نے قرآن کریم کے اس مقام پر نکاح کے دو معنوں میں سے ایک معنی کو متعین کر دیا اور وہ ہے ہم بستری کرنا۔ حدیث میں اس وضاحت کے بعد محض لغوی مفہوم کی بنیاد پر یہاں نکاح کو بمعنی عقد نکاح لے کر۔ پہلا موقف اختیار کرنا سراسر گمراہی اور اجماع امت سے انحراف ہے۔ صاحب "تدبر قرآن" نے بھی اسی گمراہی کو اختیار کیا ہے' کیونکہ ان صاحب نے بھی تفسیر قرآن میں احادیث سے سخت بے اعتنائی برتی ہے اور محض لغت کے زور پر یا جاہلی کلام کی بنیاد پر "تدبر" فرمایا ہے جس کی وجہ سے ان کی تفسیر بھی "اعتزال جدید" کا ایک نمونہ یا مشہور اعتزالی تفسیر "الکشاف" کا اردو ایڈیشن ہی بن کر رہ گیا ہے۔

* تیسری مثال نسخ کے مسئلے کی ہے۔ جنہوں نے احادیث کو نظر انداز کیا' انہوں نے نسخ کے وجود سے انکار کر دیا' جیسے ابو مسلم معتزلی اور صاحب "تدبر قرآن" نے کیا ہے۔ جب کہ جمہور علماء و مفسرین سب نسخ کو تسلیم کرتے ہیں۔

یہ تین مثالیں بات کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں' ورنہ اس کی متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ بہرحال اس تفصیل سے واضح ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھا نہیں جا سکتا' جس نے بھی احادیث کے بغیر صرف قرآن کے ظاہر الفاظ سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے' وہ گمراہی کا شکار ہوا ہے۔

نسبت نکاح عورت کی طرف کرنے سے' ولایت کی اہمیت ختم یا کم نہیں

ہو سکتی: اس نکتے سے اس امر کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کی آیت:

﴿ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۰)

اور:

﴿ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۲)

میں نکاح کی نسبت جو عورتوں کی طرف کی گئی ہے' تو اس کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہے کہ عورت ولی کے بغیر اپنا نکاح خود کر سکتی ہے' جیسا کہ بعض حضرات استدلال کرتے ہیں' کیونکہ یہ مطلب قرآن کریم کی دوسری آیات اور احادیث کے خلاف ہے۔ ان دونوں مقامات پر یہ بیان نہیں کیا گیا ہے کہ عورت خود اپنا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بلکہ دوسرے مسائل بیان کئے گئے ہیں' پہلی آیت میں کہا گیا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ جب تک کسی دوسرے شخص سے باقاعدہ شادی نہیں کرے گی اور اس سے اس کا تعلق زوجیت قائم نہیں ہو گا' وہ اس وقت تک پہلے خاوند سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اور دوسری آیت میں کہا گیا ہے کہ پہلی یا دوسری طلاق یافتہ عورت اگر اپنے طلاق دینے والے خاوند سے (عدت گزرنے کے بعد) دوبارہ نکاح کرنا پسند کرے تو تم اس کی راہ میں رکاوٹ مت بنو۔ لیکن یہ نکاح کس طرح ہو گا؟ اس کی وضاحت یہاں نہیں ہے' قرآن وحدیث کے دوسرے مقامات پر اس کا بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ نکاح ولی کی اجازت اور رضامندی سے ہی ہو گا' کیونکہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح ہی نہیں ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے' جیسے قرآن کریم میں عورتوں کے اولیاء کو حکم دیا گیا ہے:

﴿ وَأَنكِحُواْ ٱلْأَيَٰمَىٰ مِنكُمْ ﴾ (النور۲۴/ ۳۲)

"تمہارے اندر جو بے شوہر ہیں ان کے نکاح کر دو۔"

اولیاء کو یہ حکم یا اختیار دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ جس طرح چاہیں' نکاح کر دیں' بلکہ ان کا یہ اختیار بھی مشروط ہو گا دوسرے مقامات پر بیان کردہ باتوں کے ساتھ۔ مثلاً وہ جبر کر کے عورت کا نکاح نہیں کر سکتے' کیونکہ احادیث میں اس کی ممانعت ہے' عورت کا نکاح کرتے وقت اس کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ اسی طرح عدت کے اندر یا حالت احرام میں نکاح نہیں کر سکتے' کیونکہ ان حالات میں نکاح کی ممانعت ہے۔ وعلی هذا القیاس ولی کا اختیار نکاح شرائط ثابتہ کے ساتھ مشروط ہو گا۔ اسی طرح مذکورہ دونوں مقامات پر بھی محض نسبت نکاح عورت کی طرف کر دینے سے' یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ وہ از خود نکاح کر سکتی ہے' بلکہ نکاح کا یہ معاملہ اسی طریقے سے سرانجام پائے گا جو قرآن وحدیث کی رو سے ضروری ہے اور اس کی رو سے جہاں عورت کی رضامندی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے' وہاں ولی کی ولایت اور اس کی اجازت بھی ضروری ہے۔

دیگر قرآنی دلائل: مذکورہ آیات قرآنی کے علاوہ جو مسئلہ زیر بحث میں نصوص کی حیثیت رکھتی ہیں' اور بھی بعض آیات ہیں جن سے بالواسطہ یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ جیسے عورتوں سے نکاح کرنے کے معاملے میں نبی ﷺ کے لئے بعض خصوصی احکام تھے' جن میں امتیوں کو آپ کی اقتداء کرنا نہ صرف یہ کہ جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ مثلاً نبی ﷺ نے بیک وقت چار عورتوں

سے زیادہ عورتوں کو اپنے حرم میں رکھا۔ یہ آپ کی ایسی خصوصیت ہے جس میں آپ امت میں ممتاز ہیں' کسی اور کے لئے ایسا کرنا حرام ہے۔ انہی امتیازی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ آپ کے ساتھ نکاح کرنے والی عورت کے لئے ولی کی اجازت ضروری نہیں تھی۔ آپ کا کسی عورت سے اس کے ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اور اسی طرح حق مہر کے بغیر بھی نکاح جائز تھا۔ جیسے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا' صرف اللہ کے اس فرمان ﴿ زَوَّجْنَاكَهَا ﴾ ''ہم نے اس زینب سے آپ کا نکاح کر دیا'' سے آپ کا نکاح ہو گیا' نہ ولی کی اجازت کی ضرورت سمجھی گئی نہ حق مہر مقرر کرنے کی۔ اسی لئے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دیگر ازواج مطہرات سے یہ فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے باپوں نے کروایا اور میرا نکاح اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کروایا ہے۔ (احکام القرآن - ابن العربی) گویا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کے آسمانی نکاح سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ آپ کے لئے ولایت کی ضرورت نہیں تھی۔ جس سے از خود یہ بات ثابت ہو گئی کہ آپ کی امت کے لئے یہ ضروری ہے' کیونکہ آپ کی خصوصیات میں کسی امتی کے لئے اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ ﴿ زَوَّجْنَاكَهَا ﴾ (الاحزاب:۳۷) کے تحت فرماتے ہیں:

«دَلِيْلٌ عَلٰى ثُبُوْتِ الْوَلِيِّ فِي النِّكَاحِ»(تفسير قرطبي۷/ ۱۹۵)

''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ (عام لوگوں کے لئے) نکاح میں ولی کی اجازت ضروری ہے۔''

اسی طرح قرآن کریم کی آیت ہے:

﴿وَٱمۡرَأَةً مُّؤۡمِنَةً إِن وَهَبَتۡ نَفۡسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنۡ أَرَادَ ٱلنَّبِيُّ أَن يَسۡتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَۗ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٥٠)

"اگر کوئی مومن عورت اپنے آپ کو نبی ﷺ کے لئے ہبہ کر دے اور آپ اس سے نکاح کرنا چاہیں تو ایسا کرنا آپ کے لئے جائز ہے' لیکن یہ صرف آپ کے لئے خاص ہے' یہ اجازت دوسرے مومنوں کے لئے نہیں ہے۔"

اس سے بھی متعدد مفسرین نے مسئلہ ولایت نکاح کا اثبات کیا ہے' کیونکہ محض کسی عورت کا اپنے آپ کو نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دینے سے اس کے ساتھ آپ کا نکاح ہو جانا' بشرطیکہ آپ اسے قبول فرمالیں' صرف آپ ہی کی خصوصیت ہے کسی اور شخص کا نکاح اس طرح کسی عورت سے نہیں ہو سکتا۔ وہاں تو عورت کی رضا مندی کے ساتھ ولی کی اجازت اور رضا مندی بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اس آیت کے ماتحت امام ابن جریر طبری اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہم حضرت قتادۃ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

«لَيْسَ لِامْرَأَةٍ تَهَبُ نَفْسَهَا لِرَجُلٍ بِغَيْرِ وَلِيٍّ وَلَا مَهْرٍ إِلاَّ لِلنَّبِيِّ ﷺ» (تفسير طبري وتفسير ابن كثير)

"کسی عورت کا' ولی کی اجازت اور مہر کے تقرر کے بغیر' اپنے آپ کو کسی مرد کے لئے ہبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ صرف نبی ﷺ کے لئے جائز تھا۔"

اسی آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے نبی ﷺ کی امتیازی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً: ان فرض چیزوں کا جو صرف آپ پر فرض تھیں' امت کو ان

کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ ان محرمات کا جو صرف آپ کے لئے حرام تھیں' امت کے لئے ان کو حرام نہیں کیا گیا' اسی طرح ان حلال چیزوں کا' جو صرف آپ کے لئے حلال تھیں' امت کے لئے وہ حلال نہیں۔ انہی حلال چیزوں میں' ولی کے بغیر نکاح کا حلال ہونا ہے۔ (تفسیر القرطبی:۷/۲۱۲۔ احکام القرآن لابن العربی:۳/۱۵۵۰) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امت کے لئے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں' کیونکہ یہ صرف نبی ﷺ کی خصوصیت ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِىٓ أَزْوَٰجِهِمْ ﴾

(الأحزاب ۳۳/ ۵۰)

"یعنی ہم نے مومنوں پر ان کی بیویوں کی بابت جو چیزیں فرض کی ہیں' ان کو ہم جانتے ہیں"

مطلب یہ ہے کہ نکاح کے سلسلے میں جو حقوق و شرائط عام مومنوں کے لئے ہم نے ضروری قرار دی ہیں' ان سے انحراف واعراض کسی کے لئے جائز نہیں ہے اور نہ ان کے سلسلے میں نبی ﷺ کی اقتداء ہی جائز ہے' کیونکہ وہ مومنوں ہی کے لئے ضروری ہیں' اے پیغمبر آپ کے لئے ضروری نہیں' اور نکاح کے معاملے میں آپ کو جو خصوصی امتیازات حاصل ہیں' وہ دیگر مومنوں کے لئے نہیں ہیں۔ پس کوئی مومن' ولی' مہر اور گواہوں کے بغیر نکاح نہیں کر سکتا' اسی طرح چار سے زیادہ عورتوں کو ایک ہی وقت میں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ جب کہ نبی ﷺ کو ان چاروں چیزوں سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ مفسرین نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«قَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُجَاهِدٌ وَالْحَسَنُ وَقَتَادَةُ وَابْنُ جَرِيْرٍ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ﴾ اَيْ حَصْرَهُمْ فِيْ اَرْبَعِ نِسْوَةٍ حَرَائِرَ وَمَا شَآءُوْا مِنَ الإِمَآءِ وَاشْتِرَاطِ الْوَلِيِّ وَّالْمَهْرِ وَالشُّهُوْدِ عَلَيْهِمْ... وَقَدْ رَخَّصْنَا لَكَ فِيْ ذٰلِكَ فَلَمْ نُوْجِبْ عَلَيْكَ شَيْئًا مِّنْهُ»(تفسير ابن كثير سورة الأحزاب)

”حضرت ابی بن کعب‘ مجاہد‘ حسن‘ قتادہ اور ابن جریر رحمھم اللہ نے آیت ﴿ قد علمنا مافرضنا..... ﴾ کا مطلب یہی بیان کیا ہے کہ مومن مرد چار آزاد عورتوں سے زیادہ نکاح نہیں کر سکتے‘ البتہ لونڈیاں جتنی چاہیں رکھ سکتے ہیں‘ اسی طرح ان کے لئے ولی‘ مہر اور گواہ کی بھی شرط ہے۔ اور اے پیغمبر ان احکام میں ہم نے آپ کو رخصت عطا کی ہے اور ان میں سے کسی بھی چیز کو آپ پر فرض نہیں کیا۔“

اور امام قرطبی فرماتے ہیں:

«اَيْ مَا أَوْحَيْنَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ، وَهُوَ اَلاَّ يَتَزَوَّجُوْا إِلاَّ اَرْبَعَ نِسْوَةٍ، بِمَهْرٍ وَّبَيِّنَةٍ وَّوَلِيٍّ»(القرطبي)

”یعنی مومنوں پر جو چیزیں ہم نے واجب کی ہیں (ہم جانتے ہیں) اور وہ یہ ہیں کہ وہ (بہ یک وقت) صرف چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں‘ اور وہ بھی حق مہر‘ گواہوں اور ولی کے ساتھ“

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے یہی کچھ لکھا اور امام شوکانی فرماتے ہیں:

«فَلاَ يَتَزَوَّجُوْا إِلاَّ اَرْبَعًا بِمَهْرٍ وَّبَيِّنَةٍ وَّوَلِيٍّ»

(فتح القدیر ٤/ ٤١١)

"پس عام لوگ (نبی ﷺ کے برعکس) چار سے زائد عورتوں سے نکاح نہ کریں' اور نکاح بھی مہر' گواہوں اور ولی کے ساتھ کریں۔"

یعنی مہر' گواہ اور ولی' نکاح کے لئے ضروری ہیں' جب کہ یہ نبی ﷺ کے لئے ضروری نہیں۔ ان دلائل قرآنی کے علاوہ بعض مفسرین نے حضرت شعیب علیہ السلام کے اس قول سے ولایت نکاح کا اثبات کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمایا تھا:

﴿ إِنِّىٓ أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ٱبْنَتَىَّ هَـٰتَيْنِ ﴾ (القصص ٢٨/ ٢٧)

"میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کرنا چاہتا ہوں"

یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کے اس قول سے بھی واضح ہے کہ نکاح کی ذمے داری والد یا کسی اور قریبی ولی ہی کی ہے' نہ کہ عورت اپنی آزادانہ مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر لے۔ اس تفصیل سے واضح ہے کہ ولایت نکاح کا مسئلہ قرآن کریم سے تین طریقوں سے ثابت ہے:

اَوّلاً: نصوص قرآنی سے یا بدرجۂ تنزّل اشارۃ النّص سے (جیسا کہ تفصیل گزری)۔

ثَانِیًا: شان نزول کے اعتبار سے' جیسا کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کا واقعہ ہے۔

ثَالِثًا: احادیث سے' کیونکہ حدیث ہی قرآن کریم کی سب سے معتبر تفسیر اور مستند ترین شرح ہے' جس مسئلے کی بابت صحیح حدیث ہو گی' وہ حدیث اس میں دلیل قطعی ہو گی اور اسی کی روشنی میں قرآن کا مفہوم اور اس کی مراد متعین ہو

گی' کیونکہ حدیث بھی دین کا ماخذ اور شرعی حجت ہے اور اس کا انکار بھی قرآن کریم کے انکار کی طرح کفر وضلالت ہے اور مسئلہ زیر بحث میں تو قرآن وحدیث دونوں میں ہی نصوص صریحہ موجود ہیں' جن کا انکار یا ان کی دوراز کار تاویل' روز روشن میں سورج کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

حدیثی دلائل: اب ہم ذیل میں چند احادیث ذکر کرتے ہیں جن میں پوری صراحت سے ولایت نکاح کا مسئلہ بیان ہوا ہے:

«لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ»(سنن أبي داود، جامع ترمذي، سنن ابن ماجه)

"ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں"

یہ روایت جسے متواتر تک کہا گیا ہے' حضرت ابو موسیٰ اشعری' حضرت عبد اللہ بن عباس' حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم چار صحابہ سے مروی ہے' اس کی پوری تفصیل' ان کی اسنادی تحقیق اور حدیث کی کن کن کتابوں میں مذکورہ اصحاب کی روایات ہیں' شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ارواء الغلیل:۶/۲۳۵۔۲۴۳) میں درج کی ہیں اور انہیں صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ البانی (المتوفی ۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء) عصر حاضر کے عظیم محدث تھے۔ اس دور میں انہوں نے احادیث کی تحقیق اور چھان پھٹک کا جو عظیم الشان اور بے مثال کام کیا ہے' اہل علم اس سے واقف ہیں۔ ہم ان کی اسی کتاب سے اس موضوع کی چند اور احادیث' جنہیں انہوں نے صحیح قرار دیا ہے' نقل کرتے ہیں۔ اس کتاب میں ان کے مکمل حوالے اور ان پر اسنادی بحث موجود ہے جسے اہل علم وتحقیق ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ یہ صفحات ان تفصیلات کے متحمل نہیں' اس لئے

ہم یہاں صرف احادیث صحیحہ نقل کر کے دوسرے نکتوں پر بحث کریں گے۔

«عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوْعًا أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا وَاِنِ اشْتَجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لاَّ وَلِيَّ لَهَا»

(أبي داؤد، ترمذي، ابن ماجة، مسند احمد وغيرهم)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہے' وہ نکاح باطل ہے' وہ نکاح باطل ہے' اگر ان کا آپس میں ملاپ ہو گیا ہے تو اس کی وجہ سے حق مہر اس عورت کو دیا جائے گا' اگر (اولیاء کا) اختلاف اور جھگڑا ہو تو سلطان وقت ہر اس عورت کا ولی ہو گا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔"

یہ روایت سنداً صحیح اور مسئلہ زیر بحث میں واضح اور فیصلہ کن ہے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا لاَ تُزَوِّجِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَلاَ تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا»(سنن ابن ماجة دارقطني)

"حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی عورت' عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔"

اس حدیث میں ولایت کے لئے مرد کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یعنی باپ کی بجائے ماں ولی نہیں بن سکتی' نہ لڑکی از خود اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ باپ نہ ہو تو

اس کا چچا' بھائی وغیرہ ولی بنے گا' کوئی بھی نہیں ہو گا تو حاکم وقت یا قاضی اس کا ولی ہو گا' جیسا کہ اس سے ماقبل کی حدیث میں ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' وہ بیان فرماتی ہیں کہ ''زمانۂ جاہلیت میں نکاح کی چار قسمیں تھیں' ایک قسم وہ جو لوگوں میں آج کل رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اس کی کسی عزیزہ یا بیٹی کے لئے نکاح کا پیغام بھیجتا ہے' وہ اسے قبول کر کے اس کے لئے حق مہر کا تعین کر دیتا اور نکاح کر دیتا ہے۔ (اس کے بعد نکاح کی تین قسمیں اور بیان کی اور آخر میں فرمایا) جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کو ختم کر دیا اور صرف آج کل کے رائج نکاح کو باقی رکھا۔ (صحیح بخاری = کتاب النکاح ۔ باب من قال لانکاح الا بولیٍ) اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے صرف اس نکاح کو جائز رکھا ہے جو ولی کی وساطت سے کیا گیا ہو۔ باقی تمام نکاح باطل کر دیئے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کا واقعہ' جو قرآن کریم کی آیت:

﴿ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَٰجَهُنَّ ﴾ (البقرۃ ٢/ ٢٣٢)

کے شان نزول کے ضمن میں گزر چکا ہے' وہ اس مسئلے میں نص قطعی کی حیثیت رکھتا ہے' جس سے واضح ہے کہ کوئی عورت' ولی کی رضامندی کے بغیر از خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔

مذکورہ احادیث پر اعتراضات اور ان کی حیثیت: بعض لوگ ان احادیث صحیحہ کو رد کرنے کے لئے مختلف باتیں کرتے ہیں' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

ان کا بھی جائزہ لے لیا جائے:

(۱) بعض کہتے ہیں کہ یہ روایات سنداً کمزور ہیں' لیکن یہ دعوی صحیح نہیں ہے' ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ عصر حاضر کے عظیم محدث شیخ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان روایات پر مفصل بحث کر کے ان کو صحیح قرار دیا ہے' جس کی پوری تفصیل کتاب (ارواء الغلیل:۶) میں موجود ہے۔ گویا تحقیق حدیث کے محدثانہ اصول کی روشنی میں یہ روایات صحیح ہیں' جس کے بعد کسی کو مجال انکار نہیں۔ علاوہ ازیں علامہ انور شاہ کشمیری نے (فیض الباری) میں یہ روایات نقل کی ہیں اور ان کے حسن یا صحیح ہونے کو تسلیم کیا ہے' علامہ کاشمیری کوئی معمولی شخصیت نہیں ہیں' علمائے احناف کے ہاں ان کی عظمت اور محدثانہ حیثیت مسلم ہے' موجودہ علمائے احناف کی اکثریت بالواسطہ یا بلاواسطہ انہی کی شاگرد ہے اور ان کی علمی عظمت کی وجہ سے ان سے غایت درجہ عقیدت رکھتی ہے۔ علامہ کاشمیری کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان احادیث کی تضعیف کرے جن کو انہوں نے رد نہیں کیا' جب کہ دیگر محدثین کے ہاں ان کو پہلے ہی درجۂ قبولیت حاصل ہے۔

(۲) بعض حضرات نے ان احادیث کو نابالغ اور مجنون (پاگل' دیوانہ) بچیوں کے ساتھ خاص کیا ہے' یعنی ان کا نکاح ولی کے بغیر صحیح نہیں' لیکن یہ دعوی صحیح نہیں۔ یہ احادیث عام ہیں' ان میں بالغ اور نابالغ' عاقل اور مجنون (پاگل) سب شامل ہیں' سب میں ولی کی ولایت ضروری ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ عورت کی یہ فطری کمزوری ہے کہ وہ مرد کے مقابلے میں جذباتی ہوتی ہے' بالخصوص جوان اور بالغ عورت' وہ جذبات میں اکثر غلط فیصلہ کر لیتی ہے اور اپنا اختیار صحیح

طریقے سے استعمال نہیں کر سکتی اور مستقبل کے لئے جس بالغ نظری' دور اندیشی اور گہرائی میں اتر کر تجزیہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے' عورت کے جذباتی فیصلوں میں اکثر ان کی کمی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر لو میرج (محبت کی شادی) کی عمر دیرپا نہیں ہوتی' جذبات کا یہ جوش جلد ہی سرد پڑ جاتا ہے اور جب ہوش آتا ہے تو سب کچھ لٹ چکا ہوتا ہے اور پھر معاملہ ؎

نہ خدا ہی ملا' نہ وصال صنم

کے مصداق' ایسی عورتیں گھر کی رہتی ہیں نہ گھاٹ کی۔ اخبارات کے ذریعے سے آئے دن اس کی مثالیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ میاں صلاح الدین کے بیٹے یوسف کا اس کی بیوی انبساط کے ساتھ یہی معاملہ ہوا' یحییٰ بختیار کی اداکارہ بیٹی زیبا بختیار کی لو میرج کا انجام بھی ایک بیٹے کی ولادت کے بعد ہی سخت عبرت ناک ہوا' حتیٰ کہ اس کے شوہر کا بیان اخبارات میں شائع ہوا کہ لوگ لو میرج سے بچیں' اس کا انجام اچھا نہیں اور والدین کی رضامندی سے طے پانے والی شادیاں ہی صحیح اور دیرپا ہوتی ہیں۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور۔ جون 1997ء)

اس کے برعکس مرد کے فیصلے بالعموم جذباتیت کی بجائے' عقل و دانش اور دور اندیشی پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے طلاق کا حق صرف مرد کو دیا ہے' عورت کو نہیں' اگر عورت کو بھی طلاق کا حق حاصل ہوتا تو وہ اکثر جذبات میں آکر مرد کو طلاق دے دیا کرتی' بہت سے جاہل اور شریعت سے

ناواقف مرد بھی اگرچہ اپنا حق طلاق غلط طریقے سے استعمال کرتے ہیں' لیکن عورتوں کو اگر یہ حق حاصل ہوتا تو شرح طلاق اتنی زیادہ ہوتی کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے (البتہ مغربی معاشرے میں عورت کو بھی حق طلاق حاصل ہے' وہاں کی شرح طلاق سے ہماری بات کی تصدیق کی جا سکتی ہے) اسلام ایک دین فطرت ہے' جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس میں انسانی فطرت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ عورت کے اندر جو فطری کمزوریاں ہیں' اس کے پیش نظر شریعت اسلامیہ نے بعض احکام میں مرد و عورت کے درمیان امتیاز کیا ہے' انہی امتیازی احکام میں یہ حق ولایت اور حق طلاق بھی ہے جو صرف مرد کو حاصل ہے' عورت کو نہیں۔

بنا بریں علمائے اسلام نے مرد کے حق ولایت کے دلائل میں ایک دلیل اس نکتے کو بھی بنایا ہے جس کا ذکر ہم نے مذکورہ سطور میں کیا ہے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں:

«إِنَّ لِلْوَلِيِّ النِّكَاحَ، وَإِنَّمَا شُرِعَ لِقِلَّةِ الثِّقَةِ بِالْمَرْأَةِ فِي اخْتِيَارِ أَعْيَانِ الأَزْوَاجِ وَخَوْفِ غَلَبَةِ الشَّهْوَةِ فِيْ نِكَاحِ غَيْرِ الْكَفْءِ وَإِلْحَاقِ الْعَارِ بِالأَوْلِيَاءِ»

(احكام القرآن ٣/ ١٥٤، تفسير سورة الأحزاب: ١٥)

"نکاح کا اختیار ولی کو ہے اور شریعت نے یہ حق مرد کو اس لئے دیا ہے کہ خاوندوں کے پسند کرنے میں عورت پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا' علاوہ ازیں یہ اندیشہ ہے کہ عورت غلبۂ شہوت کی وجہ سے غیر کفو میں نکاح کر لے اور (اس طرح) عورت کے اولیاء کو ذلت وعار کا سامنا کرنا پڑے۔"

عصر حاضر کے ایک فاضل محقق ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی (شامی) احادیث ((لا نكاح الا بِوَلِيٍّ)) وغیرہ تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

«ثَانِيًا أَنَّ الزَّوَاجَ عَقْدٌ خَطِيْرٌ دَائِمٌ ذُوْ مَقَاصِدَ مُتَعَدِّدَةٍ مِّنْ تَكْوِيْنِ أُسْرَةٍ وَتَحْقِيْقٍ وَّاِسْتِقْرَارٍ وَّغَيْرِهَا، وَالرَّجُلُ بِمَالَدَيْهِ مِنْ خُبْرَةٍ وَّاسِعَةٍ فِيْ شُئُوْنِ الْحَيَاةِ اَقْدَرُ عَلٰى مُرَاعَاةِ هٰذِهِ الْمَقَاصِدِ، أَمَّا الْمَرْأَةُ فَخُبْرَتُهَا مَحْدُوْدَةٌ، وَتَتَأَثَّرُ بِظُرُوْفٍ وَّقْتِيَّةٍ، فَمِنَ الْمَصْلَحَةِ لَهَا تَفْوِيْضُ الْعَقْدِ لِوَلِيِّهَا دُوْنَهَا» (الفقة الاسلامي وادلته ٧/ ١٩٥)

''ثانیاً' شادی ایک نہایت اہم معاملہ اور دائمی عقد ہے جس کے متعدد مقاصد ہیں' جیسے خاندان کا قیام اور اس کا استقرار واثبات وغیرہ اور زندگی کے معاملات میں چونکہ مرد کو ہی وسیع تجربہ حاصل ہوتا ہے' اس لئے وہی ان مقاصد کی رعایت اور ان کا اہتمام کرنے پر زیادہ قادر ہے' جب کہ عورت کا تجربہ محدود ہوتا ہے' علاوہ ازیں وہ وقتی حالات سے جلد متاثر ہو جاتی ہے' اس لئے عورت کی بہتری اسی میں ہے کہ عقد نکاح کا اختیار اس کے ولی کے ہی سپرد ہو' نہ کہ عورت کے۔''

(۳) بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث نمبر:۲ میں' جس میں ولی کے بغیر کئے گئے نکاح کو باطل کہا گیا ہے' اس میں ہم بستری ہو جانے کی صورت میں عورت کو حق مہرادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکاح باطل نہیں' فاسد ہے۔ یعنی نکاح اگرچہ غلط طریقے یعنی ولی کی اجازت کے بغیر ہوا ہے' مگر منعقد ہو گیا ہے' اسی لئے تو حق مہرادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لیکن یہ تاویل یا قیاس نص کے مقابلے میں ہے اس لئے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس نکاح کو تاکید اور تکرار کے ساتھ تین مرتبہ باطل کہا ہے' تو یقیناً ولی کی اجازت کے بغیر کیا گیا نکاح' باطل ہی ہو گا' یعنی سرے سے وہ منعقد ہی نہیں سمجھا جائے گا۔ اس کو فاسد کے معنی میں نہیں لیا جائے گا اس لئے کہ باطل اور صحیح کے درمیان ایک تیسری چیز۔ فاسد ۔ یہ بعد کے فقہاء کی ایجاد ہے' قرآن وحدیث میں اس لفظ کا استعمال اس مفہوم میں نہیں ہوا۔ شریعت میں تو صرف دو ہی درجے ہیں' ایک چیز باطل ہے یا پھر صحیح ہے۔ جو صحیح ہے وہ باطل نہیں اور جو باطل ہے وہ صحیح نہیں' بطلان نکاح کے باوجود حق مہر کی ادائیگی کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے تو یہ نص سے ثابت ہے اس لئے اس پر عمل ضروری ہے اور اس کے برعکس ادائیگی مہر سے بطلان نکاح کی نفی نص شریعت سے صریح انحراف اور نص کے مقابلے میں اپنے قیاس کو ترجیح دینا ہے جو کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی ایک دوسری مثال ((بیع مُصَرَّاۃ)) کی ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے دودھ والا جانور اس طریقے سے بیچا کہ ایک یا دو دن دودھ نہیں دوہا' تاکہ خریدار کو یہ باور کرایا جا سکے کہ یہ جانور زیادہ دودھ دینے والا ہے' چنانچہ خریدار دھوکے میں اسے خرید لے' لیکن ایک دو مرتبہ دودھ دوہنے کے بعد اصل حقیقت اس پر واضح ہو جائے کہ جانور تو زیادہ دودھ دینے والا نہیں ہے' بائع نے اس کے تھنوں میں دودھ جمع کر کے اسے دھوکہ دیا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ خریدار کو حق اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ اس جانور کو واپس کرنا چاہے تو تین دن کے اندر واپس کر سکتا ہے۔ کیونکہ بیچنے والے نے دھوکے سے کام لیا ہے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ واپسی کی

صورت میں ایک صاع غلہ بھی مالک کو ساتھ دینا پڑے گا۔ تاکہ اس دودھ کا عوض ہو جائے جو اس نے جانور سے ایک یا دو دن حاصل کیا ہے۔

بالکل اسی طرح ناجائز طریقے سے نکاح کرنے والے شخص نے اگر عورت سے ہم بستری کر لی ہے' تو چونکہ اس نے اس سے فائدہ اٹھالیا ہے' اس لئے نکاح کے باطل ہونے کے باوجود اسے فائدے کا عوض مہر کی صورت میں ادا کرنا پڑے گا۔

(۴) بعض کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو ولایت نکاح کی احادیث روایت کرتی ہیں' ان کا اپنا عمل ان احادیث کے خلاف ہے۔

لیکن اولاً تو محدثین کے ہاں یہ اصول مسلم ہے کہ راوی کا عمل اگر اس کی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہو گا تو عمل اس کی بیان کردہ حدیث پر کیا جائے گا' اس کے عمل کو نہیں دیکھا جائے گا۔ ثانیاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بابت یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ انہوں نے خود اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی لڑکی کا نکاح ان کی غیر موجودگی میں کر دیا تھا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی بابت فرماتے ہیں:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعے میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ نکاح خود انہوں نے کیا تھا' اس لئے کہ یہ احتمال ہے کہ لڑکی بیوہ ہو اور انہوں نے کسی اپنے ہم پلہ کو تلاش کر لیا ہو اور باپ کی غیر موجودگی کی وجہ سے ولایت ولیِ ابعد یا سلطان کی طرف منتقل ہو گئی ہو۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے ایک بھتیجے کی شادی کی' تو پردے کی اوٹ میں تمام باتیں طے کیں اور جب نکاح کرنے کا مرحلہ آیا تو آپ نے ایک مرد کو

نکاح کروانے کا حکم دیا اور فرمایا:

«لَيْسَ إِلَى النِّسَآءِ نِكَاحٌ»(فتح الباري، كتاب النكاح، باب من قال لا نكاح إلا بولي)

"عورتوں کو نکاح کرنے کا اختیار نہیں ہے"

(۵) بعض حضرات کہتے ہیں' جیسا کہ ایک بہت محترم فاضل بزرگ نے اپنی کتاب "مجموعہ قوانین اسلام" میں لکھا ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں جو آیات واحادیث ہیں وہ واضح نہیں ہیں اور ہر گروہ ان سے اپنے اپنے مسلک پر استدلال کر لیتا ہے' چنانچہ فقہاء کا ایک گروہ چند احادیث کو اس استدلال کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ ولایت صحت نکاح کی شرط ہے' جب کہ دوسرا گروہ ایسی احادیث پیش کرتا ہے جن سے نکاح کے لئے ولایت کا شرط ہونا ثابت نہیں ہے۔ نتیجے کے طور پر جتنی آیات اور احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں' وہ محتمل علیہ ہیں' ان کے معنی اور وسعت میں اختلاف ہے اور ان سے موافق ومخالف دونوں مفہوم نکالے جاسکتے ہیں۔

لیکن ہم عرض کریں گے کہ دلائل شرعیہ میں تعارض ممکن نہیں۔ جہاں ظاہری الفاظ میں تعارض نظر آتا ہو' وہاں حقیقت میں تعارض نہیں ہوتا وہاں جمع وتطبیق ممکن ہے اور جہاں صحیح اور ضعیف دو قسم کی احادیث ہوں' ان کے درمیان بھی تعارض تسلیم نہیں کیا جاتا' کیونکہ صحیح احادیث کے مقابلے میں ضعیف احادیث قابل استدلال ہی نہیں۔ ایسے موقعوں پر صرف صحیح احادیث ہی مدار استدلال ہوں گی۔ اور مسئلہ زیر بحث میں صحیح اور واضح احادیث ہم نقل کر آئے ہیں جو مسئلے کے اثبات کے لئے کافی ہیں۔ جہاں تک آیات قرآنیہ کا تعلق

ہے' ان کی بابت بھی یہ دعویٰ صحیح نہیں' وہ بھی احادیث کی طرح واضح ہیں' جیسا کہ اس کی وضاحت گزر چکی ہے' نیز شان نزول کی صحیح ترین روایت بخاری کے بعد تو کسی قسم کے اشتباہ یا ابہام کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

اسی طرح بعض آیات قرآنیہ میں جو نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے جس سے بعض لوگوں نے عدم ولایت پر استدلال کیا ہے' ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ یہ استدلال صحیح نہیں' ان کا مفہوم قرآن کریم کی دوسری واضح آیات اور احادیث کی روشنی میں متعین ہو گا' اور وہ یہی ہے کہ نکاح بہرحال ولی کی اجازت اور رضا مندی سے ہی ہو گا' قرآن کریم کی آیات میں مبینہ اشتباہ یا ابہام کی توضیح یا ان کے متعدد معانی میں سے کسی ایک معنیٰ کی تعیین کے لئے اگر حدیث کو بنیاد نہیں بنایا جائے گا' تو قرآن کو سمجھنا اور عمل کرنا' ممکن ہی نہیں ہو گا' جیسا کہ ہم مختصراً اشارہ کر آئے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ بعض احادیث میں ولی کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر کئے گئے نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ بعض دوسری روایات میں نبی ﷺ نے عورت کی رضا مندی حاصل کئے بغیر نکاح کو مسترد فرما دیا اور لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار عنایت فرمایا۔ یہ دونوں احادیث ایک دوسرے کے مخالف اور متعارض ہیں۔ تو یہ دعویٰ بھی یکسر غیر صحیح ہے' کیونکہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے' ان دونوں روایات کے مجموعے سے یہ حکم اخذ کیا جائے گا کہ لڑکی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر از خود کہیں نکاح نہ کرے اور ولی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جہاں رشتہ کرنا چاہے اس کے لئے لڑکی کی رضا مندی بھی ضرور حاصل کرے۔ نہ لڑکی کے لئے یہ

جائز ہے کہ وہ ولی کو نظرانداز کرے اور نہ ولی کو لڑکی پر جبر کرنے کی اجازت ہے۔ یہی بات علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے "فیض الباری" میں بیان فرمائی ہے اور اس کو کئی مثالوں سے واضح بھی فرمایا ہے۔ ان کی گفتگو کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:۔

"شارع کا طریقہ یہ ہے کہ اجتماعی معاملات میں وہ طرفین کی رعایت کرتا ہے اور احادیث بھی جانبین کے بارے میں وارد ہوتی ہیں اور اقامت نظم کے لئے یہی طریقہ سب سے زیادہ مناسب ہے' اس لئے اس قسم کی جگہوں میں راہ صواب یہی ہے کہ دونوں جانب کی احادیث کو جمع کیا جائے اور ان کے مجموعے سے حکم اخذ کیا جائے اور جو شخص صرف ایک ہی جانب کی حدیث کو سامنے رکھتا ہے وہ شارع کی نصف مراد ہی کو پہنچ پاتا ہے' پوری مراد اسے حاصل نہیں ہوتی اور اس کی پوری مراد تو مجموعۂ حدیث ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کی ہم یہاں چار مثالیں پیش کرتے ہیں: (ا) زکوٰۃ کا معاملہ ہے۔ جس میں ایک زکوٰۃ دینے والا اور دوسرا لینے والا (سرکاری اہل کار) ہے۔ اس کی بابت جو احادیث آتی ہیں' ان میں ایک طرف نبی ﷺ نے مال داروں کو یہ فرمایا کہ "تمہارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والے آئیں گے جنہیں تم ناپسند کرو گے کیونکہ وہ تم سے زکوٰۃ وصول کریں گے' پس اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں خوش آمدید کہو اور وہ تم سے جو طلب کریں وہ انہیں دے دو۔ اگر وہ انصاف سے کام لیں گے تو ان کا فائدہ اور اگر ظلم کریں گے تو اس کا وبال انہی پر ہو گا' لیکن تم انہیں راضی کرو' اس لئے کہ تمہاری زکوٰۃ کا اتمام ان کی رضامندی ہی میں ہے۔" لیکن جب نبی ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے والے سرکاری کارندوں سے خطاب

فرمایا تو انہیں تاکید فرمائی کہ تم لوگوں سے ان کا نفیس اور قیمتی مال لینے سے اجتناب کرو اور مظلوم کی بددعاء سے بچو' اس لئے کہ اس کی پکار اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔" نیز آپ نے فرمایا: "صدقہ وصول کرنے میں زیادتی کرنے والا ایسے ہے جیسے زکوٰۃ کا انکار کرنے والا۔" ان دونوں قسم کی احادیث میں غور کیا جائے' پہلی قسم کی احادیث میں زکوٰۃ کی مکمل ادائیگی کو عاملین کی رضامندی پر منحصر کر دیا گیا ہے حتی کہ ان کے ظلم کو بھی برداشت کرنے کی تلقین کی گئی اور دوسری قسم کی احادیث میں کہا گیا ہے کہ عاملین کسی بھی قسم کی زیادتی نہ کریں' ورنہ وہ سخت گناہ گار ہوں گے۔ گویا دونوں طرف سخت احکام دیئے گئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حدوں کی صحیح طریقے سے حفاظت ہو سکے اور ہر فریق اپنے اپنے دائرے میں رہے اس سے تجاوز نہ کرے' تمام احادیث میں جمع وتطبیق کا یہی طریقہ ہے۔ (فیض الباری:۴/۲۸۴۔۲۸۵)

علامہ کاشمیری نے تین مثالیں اور بھی بیان فرمائی ہیں' جنہیں یہاں نقل کرنا باعث طوالت ہے اور اس کے بعد انہوں نے مسئلہ زیر بحث سے متعلق احادیث میں بھی وہی تطبیق دی ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور ان تمام احادیث کے مجموعے سے یہی مراد لیا ہے کہ اولیاء عورتوں کی رضامندی کو اور عورتیں اولیاء کی اجازت کو نظر انداز نہ کریں' دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ ضروری اور شرعاً مطلوب ہیں' اور ان احادیث کے مابین کوئی تعارض نہیں۔ (صفحہ:۲۸۶)

علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اس موقف سے ہمارے موقف کی تائید ہو جاتی ہے کہ ولایت نکاح سے متعلقہ آیات واحادیث کے مابین کوئی تعارض

نہیں' لہٰذا ان کے درمیان تعارض ثابت کرنا دین یا اسلام کی خدمت نہیں۔

قرآن اور احادیث کو نظر انداز کرنے کی خطرناک دعوت: لیکن "مجموعہ قوانین اسلام" کے فاضل مصنف آیات و احادیث میں تعارض باور کرا کے حسب ذیل خطرناک نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔:

"جب کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی محتمل علیہ ہوں اور ائمہ اربعہ کے درمیان نکاح کے جائز اور ناجائز ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہو تو عامۃ المسلمین کے نزدیک جو قول رائج رہا ہو' اس کو اختیار کرنا چاہئے' بشرطیکہ وہ صریح نص کے خلاف نہ ہو اور مصلحت عامہ کے مطابق ہو۔ چنانچہ اس پوری بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شافعیہ کا یہ نظریہ کہ عورت نکاح کی حقیقت سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی اور اس کے نکاح کے لئے ولی کی وساطت ناگزیر ہے' دراصل عورت کی آزاد مرضی کو مشروط بنانے اور اس کے ذاتی حق واختیار پر ایک قدغن کے مترادف ہے۔ البتہ مسلم معاشرے کو انتشار سے محفوظ رکھنے کے لئے شرع نے اولیاء کو یہ حق دیا ہے کہ اگر لڑکی نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کیا ہو یا مہر مثل سے کم پر کیا ہو تو ولی عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعوی کر سکتا ہے اور عدالت معقول شرعی وجوہ کی بناء پر نکاح کو فسخ کر سکتی ہے۔" (مجموعہ قوانین اسلام:۱)

مذکورہ دعوت کے خوف ناک نتائج: یہ سارا نتیجہ تضادات اور غلطی ہائے مضامین کا آئینہ دار ہے۔ ایک تو آیات واحادیث کو محتمل علیہ قرار دے کر انہیں ایک طرف رکھ دینے کا مشورہ ہے' جب کہ یہ بات بھی خلاف واقعہ ہے' ہم

تفصیل کے ساتھ واضح کر آئے ہیں کہ قرآن کریم کی متعدد آیات مسئلہ ولایت میں نص صریح کی حامل ہیں اور اسی طرح کئی احادیث صحیحہ بھی نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہیں اور انہی سے آیات قرآنیہ کا مفہوم ومصداق بھی واضح اور متعین ہو جاتا ہے' بالخصوص شان نزول کی روایات سے۔ ان آیات واحادیث کو قطعاً محتمل علیہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دوسرے' یہ فرمانا کہ ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف کی وجہ سے ان کے مسالک بھی قابل عمل نہیں ہیں۔ حالانکہ آخر میں جاکر خود امام شافعی کے مقابلے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو اختیار فرمایا ہے' یہ فکری اور عملی تضاد کی ایک واضح مثال ہے۔

تیسرے نمبر پر یہ کہنا کہ عامۃ المسلمین کے نزدیک جو قول راجح رہا ہو' اسے اختیار کیا جائے' عجیب بات ہے۔ عامۃ المسلمین سے موصوف کی مراد کیا ہے؟ یہ واضح نہیں ہے' اگر عام لوگ مراد ہیں تو وہ کسی قول کو راجح کس طرح قرار دیں گے؟ کیا ان کے اندر اس کی استعداد وصلاحیت ہو سکتی ہے؟ کیونکہ دلائل شرعیہ کا موازنہ کر کے ہی کسی قول کو راجح کہا جا سکتا ہے۔ کیا عامۃ المسلمین یہ کام کر سکتے ہیں؟ اور اگر اس سے مراد اکثریت ہے تو اکثریت تو ان ائمہ وفقہاء کی ہے جو صحت نکاح کے لئے ولی کی اجازت کو ضروری قرار دیتے ہیں' کیونکہ ائمہ ثلاثہ اسی بات کے قائل ہیں' بلکہ ہمارے خیال میں تو علامہ انور شاہ کاشمیری کی صراحت کے مطابق جب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی لڑکی اور ولی دونوں کی رضامندی کو ضروری سمجھتے ہیں' تو ائمہ ثلاثہ سے بھی امام صاحب کا خاص اختلاف باقی نہیں رہ جاتا ہے' کیونکہ ائمہ ثلاثہ بھی دونوں کی رضا مندی کو

ضروری قرار دیتے ہیں' اس کا تقاضا تو پھر یہ ہے کہ مسئلہ ولایت کو راجح قرار دے کر اس کو اختیار کرنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں یہی قول نص کے مطابق ہے اور اس سے تمام احادیث میں جمع و تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ جب کہ اس کے برعکس قول' نص صریح آیات قرآنیہ اور حدیث ((لاَ نِكَاحَ اِلاَّ بِوَلِيٍ)) کے خلاف ہے۔

رہی بات مصلحت عامہ کی تو اس وقت جو صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ لڑکیاں اپنے آشناؤں کے ساتھ گھروں سے فرار ہو کر والدین کی اجازت کے بغیر خفیہ شادیاں کر رہی ہیں اور یوں والدین اور خاندان کی عزتوں کو خاک میں ملا رہی ہیں۔ ایک اسلامی معاشرے میں مسلمان ہوتے ہوئے کیا یہ صورت حال قابل برداشت یا حوصلہ افزائی کے لائق ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو اس کے انسداد اور حوصلہ شکنی کا کیا طریقہ ہے؟

ولی کی اجازت اور رضامندی کو صحت نکاح کے لئے ضروری قرار دینا یا لڑکی کو اس سے آزاد کر دینا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ مصلحت عامہ کس میں ہے؟ لڑکیوں کو والدین سے باغی کرنے میں یا ان کا تابع فرمان بنا کر رکھنے میں؟

مذکورہ فاضل مصنف ان دونوں سوالوں پر غور کرنے کی زحمت گوارا فرما لیں' تو یقیناً ان کا جواب یہی ہو گا کہ مصلحت عامہ کا تقاضا تو یہی ہے کہ لَو میرج کے بڑھتے ہوئے رجحان کے سد باب کے لئے ولایت کی اہمیت کو تسلیم کیا جائے نہ کہ اسے ختم کر دیا جائے' اسی طرح لڑکی کی رضامندی کو بھی ضرور ملحوظ رکھا جائے اور جبرو اکراہ کا راستہ قطعاً اختیار نہ کیا جائے۔ یہی اعتدال کا راستہ ہے جو شریعت نے تجویز کیا ہے' افسوس ہے کہ فاضل مصنف جیسے محترم اور صاحب

علم وفضل بزرگ بھی شریعت کی اس راہ اعتدال کو نظر انداز کر کے ایسا راستہ اختیار کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں جس کا نتیجہ دو اور دو چار کی طرح واضح طور پر ہلاکت وبربادی اور خاندانی نظام کی تباہی ہے۔

موصوف کا یہ فرمانا کہ شافعیہ کا یہ نظریہ ہے کہ عورت نکاح کی حقیقت سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی اور اس کے نکاح کے لئے ولی کی وساطت ناگزیر ہے' شافعیہ کے نقطۂ نظر کی یہ تعبیر محل نظر ہے' کیونکہ شافعیہ کے اس نقطۂ نظر کی بنیاد حدیث رسول ہے نہ کہ عقلی تجزیہ۔ علاوہ ازیں یہ صرف شافعیہ کا ہی نقطۂ نظر نہیں ہے' بلکہ امام مالک' امام احمد بن حنبل' سعید بن مسیب' حسن بصری' قاضی شریح' ابراہیم نخعی' عمر بن عبد العزیز' سفیان ثوری' اوزاعی' عبد اللہ بن مبارک' ابن شبرمہ' اسحاق' ابن حزم' ابن ابی لیلیٰ' طبری' ابو ثور اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہم سمیت تمام محدثین کا مسلک ہے اور صحابہ میں حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابن عمر' حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہم کا بھی یہی مسلک ہے۔ (ملاحظہ ہو' فقہ السنۃ :۲/ ۱۱۳)

امام ابن المنذری کی صراحت کے مطابق تمام صحابہ کا یہی مسلک ہے' اس لئے اس مسلک کو صرف شوافع کی طرف منسوب کرنا بھی خلاف واقعہ ہے' ہاں اسے جمہور علماء وفقہاء وائمہ وصحابہ کا مسلک اگر وہ قرار دیتے تو بالکل صحیح اور واقع کے مطابق ہوتا' لیکن اس حقیقت کے اظہار کے ساتھ موصوف کے لئے اپنی یہ بات کہنی مشکل تھی کہ:

"(شافعیہ کا یہ نظریہ) دراصل عورت کی آزاد مرضی کو مشروط بنانے اور اس کے ذاتی حق واختیار پر ایک قدغن کے مترادف ہے۔"

کیونکہ یہ وہی بات ہے جو آج کل مغربی مفکرین اور ان کے مشرقی شاگرد' عورت کی آزادی کے جواز کے لئے کہہ رہے ہیں۔ عورت کو ستر و حجاب کا پابند بنانا' اس کو اس کے دائرہ عمل تک محدود رکھنا' اس کو مردوں کے دوش بدوش آنے سے روکنا اور دیگر مردانہ سرگرمیوں کو اس کی فطرت کے خلاف قرار دینا' ان مغرب زدگان اور ان کے آقاؤں کی نظر میں عورت کی آزادی کے خلاف اور اس کے حق و اختیار پر ایک قدغن ہے۔

کیا محترم مصنف کو اس نظریئے سے اتفاق ہے؟ اگر اتفاق ہے پھر تو موصوف کی مذکورہ بات قابل فہم ہے۔ اور اگر انہیں اس سے اتفاق نہیں ہے اور ہمیں یقین ہے کہ انہیں اس سے اتفاق نہیں ہو سکتا' اس لئے ہم موصوف سے عرض کریں گے کہ جہاں وہ ان تمام پابندیوں کو اس لئے غلط نہیں سمجھتے کہ یہ پابندیاں شریعت نے عورت کی عزت اور اس کے تقدس کی حفاظت اور معاشرے کو فساد سے بچانے کے لئے عائد کی ہیں۔ وہ مرد کے حق ولایت کی پابندی کو بھی ایسا ہی سمجھ لیں کیونکہ اس کا مقصد بھی وہی ہے جو دیگر پابندیوں کا ہے' اس لئے اسے عورت کی آزادی کے خلاف اور اس کے اختیار پر قدغن قرار نہ دیں۔

ایک نہایت غیر معقول نظریہ: شافعیہ کے نظریئے کی تردید کے بعد' جو دراصل جمہور کا مسلک ہے' فاضل مصنف نے فرمایا کہ: "البتہ مسلم معاشرے کو انتشار سے محفوظ رکھنے کے لئے شرع نے اولیاء کو یہ حق دیا ہے کہ اگر لڑکی نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کیا ہو یا مہر مثل سے کم پر کیا ہو تو ولی

عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر سکتا ہے۔"

ہم موصوف سے عرض کریں گے کہ اولیاء کا یہ حق کیا عورت کی آزادی کے خلاف اور اس کے ذاتی حق واختیار پر ایک قدغن عائد کرنے کے مترادف نہیں ہے؟ جمہور کا مسلک آپ کے نزدیک اس لئے قابل قبول نہیں کہ اس سے عورت کی آزاد مرضی مشروط اور اس کا حق واختیار سلب ہو جاتا ہے' لیکن جس مسلک کو آپ نے راجح قرار دیا ہے یہ قباحت تو اس میں بھی موجود ہے' اگر یہ قباحت ہے؟ فرق صرف یہ ہے کہ جمہور کے مسلک میں مسلم معاشرے کو انتشار سے بچانے کے لئے ابتداء ہی میں بروقت اقدام تجویز کر دیا گیا ہے کہ کوئی لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح ہی کرے اور نہ ولی ہی عورت پر جبر کرے۔ اور آپ کہتے ہیں کہ پہلے لڑکی کو فساد برپا کرنے کی اجازت دے دی جائے' البتہ بعد میں اس کا ازالہ عدالتوں کے ذریعے سے کیا جائے۔ گویا بات ایک ہی ہے' لیکن سیدھے طریقے سے ناک پکڑنے کی بجائے' ہاتھ کو پیچھے سے گھما کر لایا جائے اور پھر ناک کو پکڑا جائے۔ کیا یہ بات ؎

آنچہ کند دانا' کند ناداں' ولیک بعد از خرابی بسیار

ضرب المثل کی مصداق نہیں؟ اور کیا اس لحاظ سے جمہور کا مسلک زیادہ صحیح اور دانش مندی پر مبنی نہیں؟ یہ کیا ضروری ہے کہ پہلے لڑکی کو آزادی دی جائے اور پھر اسے سلب کرنے کے لئے دونوں خاندانوں کو عدالتی کھکھیڑ میں ڈال کر ان کی ذلت ورسوائی کا اہتمام کیا جائے۔ عورت کے حق واختیار پر پابندی ہی عائد کرنی ہے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ ابتداء ہی میں اس کا اہتمام کر لیا جائے تاکہ انتشار وفساد برپا ہی نہ ہو۔

اسی لئے ہم نے پہلے بھی عرض کیا تھا اور اب پھر نہایت ادب سے التماس کریں گے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور کے مسلک کو ایک دوسرے کے خلاف باور کرانے کی بجائے' اس میں نکتۂ اتفاق تلاش کیا جائے کہ اس وقت الحاد اور مغرب زدگی کا طوفان اہل اسلام سے اسی بات کا تقاضا کر رہا ہے اور یہ نکتۂ اتفاق الحمد للہ موجود ہے' اسی کو نمایاں اور اختیار کیا جائے اور وہ یہ ہے کہ علامہ انور شاہ کاشمیری کے بقول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا مآل یہ ہے کہ نکاح میں ولی اور لڑکی دونوں کی رضا مندی ضروری ہے اور یہی مسلک جمہور کا ہے' اس اعتبار سے ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے فقہ حنفی کے حوالے سے نوجوان لڑکیوں کو ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کی اجازت دے کر مسلم معاشرے کو انتشار سے دوچار نہ کیا جائے۔ سانپ کے بچے کو پال پوس کر جوان کر کے مارنے سے بہتر ہے کہ پالنے میں ہی اس کا سر کچل دیا جائے۔

دوسری بات ہم فاضل مصنف سے یہ پوچھیں گے کہ آپ نے بیان تو حنفی مسلک کیا ہے کہ اگر وہ غیر کفو میں شادی کر لے یا مہر مثل سے کم میں شادی کر لے' تو اولیاء کو عدالتی مرافعہ کا حق حاصل ہے' لیکن اسے منسوب شرع کی طرف کیا ہے کہ شرع نے اولیاء کو یہ حق دیا ہے۔ اگر واقعی یہ حق شریعت نے دیا تو یہ قرآن کریم کی کس آیت یا کس حدیث سے ثابت ہے؟ اگر آپ ان دو شرطوں کو نص شرعی سے ثابت نہیں کر سکتے تو پھر انہیں شریعت کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ شریعت کا جو حکم ہے' جو صحیح احادیث سے ثابت ہے' وہ تو یہ ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر کیا گیا نکاح باطل ہے اور اگر ولی نے لڑکی کی رضا مندی کو نظر انداز کر کے لڑکی کا نکاح کر دیا ہے تو لڑکی کو پنچایت

یا عدالت کے ذریعے سے فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ ان دلائل شرعیہ میں کفو اور غیر کفو یا مہر کی کمی بیشی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ شریعت نے تو اولیاء کو غیر مشروط ولایت کا حق دیا ہے' اور اسی غیر مشروط حق ولایت کو تسلیم کر کے ہی مسلم معاشرے کو انتشار وفساد سے بچایا جا سکتا ہے۔ اگر آپ واقعی شریعت کا حکم ماننے کے لئے تیار ہیں اور معاشرے کو انتشار سے بچانا چاہتے ہیں تو مرد کے حق ولایت کو اس طرح تسلیم کر لیں جس طرح شریعت نے اسے دیا ہے۔

جمہور علماء وفقہاء اور ائمہ محدثین نے مذکورہ آیات واحادیث سے ہی ولایت نکاح کا اثبات کیا ہے: بہر حال مذکورہ آیات واحادیث کو رد کرنے کے لئے جو تاویلات وتوجیہات پیش کی جاتی ہیں' وہ سب غیر معقول ہیں' اسی لئے ہم نے ان کی وضاحت کرنی ضروری سمجھی ہے۔ ان نصوص شرعیہ سے مسئلہ زیر بحث کے اثبات میں کوئی شک نہیں رہتا۔ چنانچہ علمائے اسلام نے ہر دور میں ولایت نکاح کے لئے انہی آیات واحادیث سے استدلال کیا ہے۔ ہم اپنی بات کی تائید کے لئے ذیل میں مزید چند جدید وقدیم وفقہاء کے اقوال نقل کرتے ہیں' تاکہ بات بالکل واضح ہو جائے۔

۱۔ امام بخاری' جن کی فقاہت مسلمہ ہے' انہوں نے اپنی صحیح بخاری میں باب باندھا ہے' (باب من قال لانکاح اِلاَّ بَوِلِیٍّ "اس بات کا بیان جو اس بات کا قائل ہے کہ ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں" پھر اس باب میں پہلے سورۂ بقرہ کی آیت:۲۳۲ اور آیت:۲۲۱ اور سورۂ نور کی آیت:۳۲ سے استدلال کیا ہے' (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے)' اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ

روایت جس میں چار قسم کے نکاحوں کا اور پھر اسلام میں صرف ولایت والے نکاح کے باقی رکھنے کا بیان ہے' اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی وہ روایت بیان کی ہے جس میں آیت: ﴿ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ ﴾ کی شان نزول کا تذکرہ ہے۔ دیکھئے (صحیح بخاری - کتاب النکاح' باب من قال لا نکاح الاَّ بولیٍّ)

۲۔ شارحین حدیث نے امام بخاری رحمہ اللہ کے ان استدلالات کو' جو آیات واحادیث سے انہوں نے کئے' تسلیم کیا ہے' کسی نے نہیں کہا کہ یہ استدلالات غلط ہیں' حتی کہ علامہ عینی اور علامہ کاشمیری نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا' بلکہ علامہ کاشمیری نے توفی الجملہ امام بخاری رحمہ اللہ ہی کی تائید کی ہے۔ ((کَمَا مَرَّ))

۳۔ امام ابن حزم لکھتے ہیں:

«وَلاَ يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ نِكَاحٌ كَانَتْ ثَيِّبًا أَوْ بِكْرًا، إِلاَّ بِإِذْنِ وَلِيِّهَا الأَبِ، أَوِ الإِخْوَةِ أَوِ الْجَدِّ أَوِ الأَعْمَامِ... فَإِنْ أَبَى أَوْلِيَآؤُهَا مِنَ الإِذْنِ لَهَا، زَوَّجَهَا السُّلْطَانُ»

(المحلي رقم١٨٢٥، كتاب النكاح)

"عورت کے لئے چاہے وہ بیوہ (شوہر دیدہ) ہو یا باکرہ (کنواری) اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں ہے' ولی باپ یا بھائی یا دادا یا چچا..... ہوں گے' اگر یہ اولیاء عورت کو نکاح کی اجازت دینے سے انکار کریں گے تو حاکم وقت اس کا نکاح کرے گا" (یعنی پھر وہ ولایت کا حق ادا کرے گا۔"

اس کے بعد امام ابن حزم' ((برهان ذٰلک)) (اس مسلک کی دلیل) فرما کر وہی آیات واحادیث ذکر کرتے ہیں' جن سے ہم نے استدلال کیا ہے اور امام بخاری

رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا ہے۔

۴۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«وَهٰذَا بِخِلَافِ الْوَلِيِّ، فَإِنَّهُ قَدْ دَلَّ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعٍ وَالسُّنَّةُ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعٍ، وَهُوَ عَادَةُ الصَّحَابَةِ، إِنَّمَا كَانَ تُزَوِّجُ النِّسَآءَ الرِّجَالُ، لَا يُعْرَفُ أَنَّ امْرَأَةً تُزَوِّجُ نَفْسَهَا، وَهٰذَا مِمَّا يُفَرَّقُ فِيْهِ بَيْنَ النِّكَاحِ وَمُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ، وَلِهٰذَا قَالَتْ عَائِشَةُ، لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا فَإِنَّ الْبَغِيَّ هِيَ تُزَوِّجُ نَفْسَهَا. . »

(مجموع فتاوی شیخ الاسلام احمد بن تیمیة۳۲/ ۱۳۱)

"ولی کا مسئلہ ایسا ہے جس پر قرآن نے کئی جگہوں پر دلالت کی ہے اور اسی طرح سنت نے بھی متعدد جگہ رہنمائی کی ہے' اور صحابہ کا معمول بھی یہی تھا' ان میں مرد ہی عورتوں کی شادی کا بندوبست کرتے تھے' ان میں قطعاً یہ رواج نہیں تھا کہ عورت خود اپنا نکاح کر لے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے نکاح اور خفیہ آشنائیاں کرنے والی عورتوں کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں' عورت اپنا نکاح خود نہ کرے' اس لئے کہ اپنا نکاح خود کرنا بدکار عورتوں کا شیوہ ہے....."

اس کے بعد امام صاحب نے وہی آیات قرآنی پیش کی ہیں جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ محدثین نے استدلال کیا ہے۔

۵۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیات واحادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

((فقد تعاضد الکتاب والسنة علی ان لانکاح الا بولی)) **(تفسیر**

قرطبی:۳/۲/۷۲) "کتاب وسنت اسی بات کی تائید کرتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں۔"

ایک اور روایت' جو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے' جس میں ولی کے ساتھ دو عادل گواہوں کی موجودگی بھی ضروری قرار دی گئی ہے' نقل کر کے لکھتے ہیں:

«وَلاَ يَصِحُّ فِي الشَّاهِدَيْنِ غَيْرَ هٰذَا الْخَبَرِ، وَإِذَا ثَبَتَ هٰذَا الْخَبَرُ فَقَدْ صَرَّحَ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ بِأَنْ لاَّ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ»(ص: ۷۳)

"دو گواہوں کے بارے میں صرف یہی حدیث صحیح ہے اور جب یہ حدیث ثابت ہو گئی تو یقیناً کتاب وسنت سے یہ واضح ہو گیا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔"

۶۔ ایک جدید فاضل محقق' سید سابق مصری لکھتے ہیں:

«ذَهَبَ كَثِيْرٌ مِّنَ الْعُلَمَآءِ إِلٰى أَنَّ الْمَرْأَةَ لاَ تُزَوِّجُ نَفْسَهَا وَلاَ غَيْرَهَا، وَإِلٰي أَنَّ الزَّوَاجَ لاَ يَنْعَقِدُ بِعِبَارَتِهَا، اِذْ أَنَّ الْوِلاَيَةَ شَرْطٌ فِيْ صِحَّةِ الْعَقْدِ، وَإِنَّ الْعَاقِدَ هُوَ الْوَلِيُّ. . . وَاحْتَجُّوْا لِهٰذَا»(فقة السنة۲/ ۱۱۱)

"علماء کی اکثریت اسی طرف گئی ہے کہ عورت خود اپنا نکاح کر سکتی ہے نہ کسی اور عورت کا' نیز یہ کہ اس کی عبارت (کہنے) سے نکاح بھی منعقد نہیں ہو گا' اس لئے کہ عقد نکاح کی صحت کے لئے ولایت شرط ہے اور یہ عقد باندھنے والا صرف ولی ہے۔ ان علماء نے اپنی اس رائے کے لئے

ان دلائل سے حجت پکڑی ہے۔" (اس کے بعد انہوں نے وہی آیات واحادیث ذکر کی ہیں۔)

۷۔ ایک اور شامی فاضل ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

«رَأْيُ الْجُمْهُوْرِ، فَهُوَ أَنَّ النِّكَاحَ لاَ يَصِحُّ إِلاَّ بِوَلِيٍّ وَلاَ تَمْلِكُ الْمَرْأَةُ تَزْوِيْجَ نَفْسِهَا وَلاَ غَيْرَهَا، وَلاَ تَوْكِيْلَ غَيْرِ وَلِيِّهَا فِيْ تَزْوِيْجِهَا، فَإِنْ فَعَلَتْ وَلَوْ كَانَتْ بَالِغَةً عَاقِلَةً رَشِيْدَةً، لَمْ يَصِحَّ النِّكَاحُ، وَهُوَ رَأْيُ كَثِيْرٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ كَابْنِ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَالْحَسَنُ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ وَجَابِرُ بْنُ زَيْدٍ وَالثَّوْرِيُّ وَابْنُ اَبِيْ لَيْلٰى وَابْنُ شُبْرُمَةَ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَعُبَيْدُاللهِ الْعَنْبَرِيُّ وَإِسْحَاقُ وَأَبُوْعُبَيْدَةَ»(الفقة الاسلامي وادلته۷/ ۱۹۴)

"جمہور علماء وفقہاء کی رائے یہ ہے کہ ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں' اور عورت خود اپنے نکاح کا اختیار رکھتی ہے نہ کسی اور عورت کے نکاح کا' نہ کسی عورت کے ولی کے علاوہ' اس کے نکاح میں اس کی وکیل بن سکتی ہے' اگر ایسا کرے گی تو چاہے وہ عاقلہ بالغہ اور سمجھ دار بھی ہو' نکاح صحیح نہیں ہو گا۔ اور یہی رائے اکثر صحابہ وتابعین کی ہے" (آگے ناموں کا ذکر ہے)

اس کے بعد انہوں نے بھی وہی احادیث بیان کی ہیں جن سے ولایت نکاح کا اثبات ہوتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

«فَلَا يَصِحُّ الزَّوَاجُ إِلاَّ بِوَلِيٍّ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ قَالَ الشَّافِعِيُّ هِيَ اَصْرَحُ آيَةٍ فِيْ اِعْتِبَارِ الْوَلِيِّ، وَإِلاَّ لَمَا كَانَ لِعَضْلِهِ مَعْنًى وَلِقَوْلِهِ ﷺ لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ ـ وَهُوَ لِنَفْيِ الْحَقِيْقَةِ الشَّرْعِيَّةِ بِدَلِيْلِ حَدِيْثِ عَائِشَةَ، اَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ بَاطِلٌ بَاطِلٌ . . . فَلاَ يَصِحُّ حَمْلُ الْحَدِيْثِ الاَوَّلِ عَلٰى نَفْيِ الْكَمَالِ، لاَنَّ كَلاَمَ الشَّارِعِ مَحْمُوْلٌ عَلٰى الْحَقَآئِقِ الشَّرْعِيَّةِ، اَيْ لاَ نِكَاحَ شَرْعِيٌّ أَوْ مَوْجُوْدٌ فِي الشَّرْعِ إِلاَّ بِوَلِيٍّ»(كتاب مذكور ص: ٨٢)

”ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے: ”تم ان عورتوں کو اپنے (طلاق دینے والے) خاوندوں سے (دوبارہ) نکاح کرنے سے مت روکو۔“ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ولی کے معتبر ہونے میں سب سے زیادہ صریح ہے‘ کیونکہ اگر ولی کا اعتبار نہ ہو تو یہ کہنا (کہ تم ان کو مت روکو) بے معنی ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں نبی ﷺ کا فرمان ہے ”ولی کے بغیر نکاح نہیں--“ اور یہ حقیقت شرعیہ کی نفی ہے (یعنی شرعاً نکاح منعقد ہی نہیں ہو گا) اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے کہ ”جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ باطل ہے باطل ہے...“ اس لئے حدیث کو نفی کمال پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے‘ اس لئے کہ شارع کا کلام شرعی حقائق پر محمول ہوتا

ہے' لیعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں' کا مطلب ہے شرعی نکاح نہیں یا شریعت کی رو سے یہ نکاح وجود پذیر ہی نہیں ہوا۔"

۸۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس پر مختصر بحث کی ہے' انہوں نے بھی حدیث ((لا نکاح الا بولی)) اور مرد کی ولایت وقوامیت والی آیات سے استدلال کرنے کے علاوہ اس امر کی بھی صراحت کی ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں کم عقل اور عاقبت نااندیش ہے' اس لئے عورتوں کے اہل حل وعقد مرد ہی ہیں اور وہی ہونے چاہئیں۔

(دیکھئے: حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۱۲۷' طبع لاہور)

۹۔ صحابہ وتابعین کے اقوال دیکھ لئے جائیں' ان کا مسلک بھی یہی ہے' اور اس کی بنیاد بھی مذکورہ آیات واحادیث ہی ہیں۔

۱۰۔ فقہ شافعی' فقہ مالکی اور فقہ حنبلی میں بھی ولایت کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور ان کی بنیاد بھی قرآن وحدیث کے یہی دلائل ہیں جن سے ہم نے استدلال کیا ہے۔ اس کی تفصیل ان کی فقہی کتابوں میں موجود ہے جسے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ حتی کہ فقہ حنفی میں بھی لڑکی اور ولی دونوں کی رضامندی کو ضروری قرار دیا گیا ہے' اس کی بنیاد بھی احادیث ہی ہیں' جس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

بہرحال عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تا ایں دم' مذکورہ قرآنی دلائل اور احادیث کی بنیاد پر بالغ لڑکی کے نکاح کے لئے ولی کی اجازت اور رضا مندی کو ضروری سمجھا گیا ہے' اس لئے اس مسئلے سے اعراض وانحراف قرآن وحدیث سے اعراض کے علاوہ امت مسلمہ کے عملی تواتر سے بھی انحراف ہے جس کی

اجازت ایک اسلامی معاشرے میں نہیں دی جا سکتی۔

مسئلہ زیر بحث کا عقلی جائزہ: یہاں تک تو ساری گفتگو نقلی دلائل کی رو سے تھی۔ اب مختصر گفتگو عقل کی رو سے بھی ہو جائے' تاکہ اتمام حجت میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔

عورت کے بارے میں اسلام کا جو نقطہء نظر ہے' وہ مغرب کے اس فلسفے سے مختلف ہے جس کی رو سے ان کے ہاں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں' ہر وہ کام جو مرد کر سکتا ہے' عورت بھی کر سکتی ہے اور اسے کرنا چاہیئے۔ لیکن اسلام چونکہ دین فطرت ہے' اس لئے اس کی تعلیمات میں فطرت اور اس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور فطری اعتبار سے مرد اور عورت دونوں کے درمیان فرق واختلاف ہے' کیونکہ اللہ نے دونوں کو الگ الگ مقصد کے لئے پیدا کیا ہے' اور دونوں کو ان کے مقصد تخلیق کے مطابق صلاحیتیں بھی الگ الگ دی ہیں۔ جیسے مرد عورت کو بار آور تو کر سکتا ہے لیکن خود بار آور (حاملہ) نہیں ہو سکتا۔ عورت بار آور (حاملہ) ہو سکتی ہے لیکن مرد کو بار آور نہیں کر سکتی۔ ((وعلی ھذا القیاس)) دوسری بعض صلاحیتوں کا اختلاف ہے' جیسے جسمانی اعتبار سے عورت کا مرد کے مقابلے میں کمزور ہونا' عقلی ودماغی صلاحیتوں میں کم تر ہونا' عورت کا مرد کے مقابلے میں زیادہ جذباتی ہونا' وغیرہ۔

اسی طرح نظریاتی وتہذیبی اعتبار سے عورت کے بارے میں مغرب کا جو نقطہء نظر ہے' وہ اسلام سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام عورت کی عصمت کو خصوصی اہمیت دیتا ہے جب کہ مغرب میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان

دونوں اعتبارات سے اسلام نے عورت کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں اور اس کی عصمت و عظمت کے تحفظ کے لئے اس پر جو بعض پابندیاں عائد کی ہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے اسلام اور مغرب کے درمیان ایک عظیم فرق ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' ایک وسیع خلیج ہے جسے پاٹا نہیں جا سکتا اور مشرق و مغرب کی سی دوری ہے جسے کم نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ اسلام نے جہاں بہ حیثیت انسان ہونے کے مرد اور عورت کو یکساں مقام عطا کیا ہے' وہاں دونوں کی ذہنی صلاحیتوں میں فرق اور دائرہ کار کے اختلاف کی وجہ سے دونوں کے درمیان بعض احکام میں فرق و امتیاز بھی کیا ہے اور بعض ذمے داریاں صرف مردوں پر عائد کی ہیں' عورتوں کو ان سے مستثنیٰ رکھا ہے' اور بعض چیزیں عورتوں کے لئے ضروری قرار دی ہیں' مردوں کو ان پابندیوں سے آزاد رکھا ہے۔ جیسے مثال کے طور پر:

① معاشی کفالت کا ذمے دار صرف مرد ہے' عورت نہیں۔ کیونکہ اسلام نے عورت کا دائرہ کار جو متعین کیا ہے' وہ اس کے گھر کی چار دیواری ہے' وہ اس کے اندر رہ کر معاشی تگ و دو نہیں کر سکتی' علاوہ ازیں اس کی عصمت کا تحفظ بھی اسی طرح ممکن ہے کہ وہ نامحرم مردوں سے دور رہے۔

② گھر کا سربراہ (قوام) مرد ہے' عورت نہیں' کیونکہ قوامیت کی خصوصیات سے اللہ نے جس طرح مرد کو نوازا ہے' عورت اس سے محروم ہے۔

③ عورت کو پردہ کرنے اور گھر میں ٹک کر رہنے کا حکم ہے۔

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ﴾

(الأحزاب ۳۳/ ۳۳)

"اپنے گھروں میں ٹک کر بیٹھی رہو اور پہلے زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرتی پھرو۔"

④ یہی وجہ ہے کہ نماز باجماعت مرد پر تو فرض ہے' عورت پر نہیں۔ جمعہ صرف مرد پر فرض ہے عورت پر نہیں' نماز جنازہ میں مردوں کو تو شرکت کی تاکید ہے' عورتوں کے لئے نہیں۔ جہاد بھی مردوں پر فرض ہے' عورتوں پر نہیں۔ عورتوں کو ان کا اجر وثواب گھر بیٹھے ہی مل جائے گا' کیونکہ ان تمام مواقع پر مردوں سے اختلاط ہو گا جس سے مقاصد شریعت مجروح ہونے کا امکان ہے۔

⑤ وراثت میں عورت کا حصہ' مرد کے حصے سے نصف ہے' اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ نان ونفقہ کا ذمہ دار صرف مرد ہے' عورت نہیں' کاروبار کرنے کے لئے بھی سرمایہ مرد کی ضرورت ہے' عورت کی ضرورت نہیں۔ نکاح کا عوض --مہر-- بھی مرد کو دینا پڑتا ہے عورت کو نہیں۔

⑥ مرد کو حسب ضرورت واقتصاء ایک سے زیادہ (چار تک) بیویاں کرنے کا حق حاصل ہے (جس میں متعدد حکمتیں ہیں' جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں) عورت کو یہ اجازت نہیں کہ وہ بیک وقت دو یا تین یا چار مردوں کی بیوی بن کر رہے۔

⑦ طلاق دینے کا حق بھی صرف مرد کو حاصل ہے' عورت کو نہیں۔ البتہ اسے خلع کا حق حاصل ہے جو طلاق سے مختلف چیز ہے۔

⑧ عورت کی گواہی' مرد کی گواہی سے نصف ہے اور دو عورتیں مل کر ایک

مرد کے برابر گواہ بنتی ہیں۔

⑨ اسی طرح ولایت نکاح کا مسئلہ ہے' اس میں بھی شریعت نے مرد کی ولایت کو ضروری قرار دیا ہے' کوئی عورت ولی کو نظرانداز کر کے' اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔

ان تمام امتیازی احکامات میں کار فرما علت کہیں تو عورت کی فطری کمزوری اور اس کی فطری وضع وہیئت ہے (جسے دنیا کی کوئی طاقت تبدیل کرنے پر قادر نہیں) اور کہیں وہ حکمتیں ہیں جن کا مقصد عورت کی عصمت کا تحفظ اور مردوں کے اختلاط سے اسے بچا کر رکھنا ہے۔

اسلام کے نزدیک یہ امتیازی قوانین' ناروا پابندیاں نہیں' جن سے عورت کی تذلیل واہانت مقصود ہو۔ بلکہ اس سے بھی اصل مقصد عورت کی حرمت وتقدس کی حفاظت' معاشرے کو قلب ونظر کے فساد سے بچانا اور خاندانی نظام کا استحکام ہے۔ یہ امتیازی قوانین ہی اسلام کا اصل امتیاز ہیں جن سے اسلامی معاشروں میں قلب ونظر کا وہ فساد عام نہیں ہے۔ جو مغربی معاشرے کا امتیاز ہے' مسلمانوں کا خاندانی نظام اس ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہیں ہوا' جس سے اس وقت پورا مغرب دو چار ہے اور مسلمان عورت اس ذلت سے محفوظ ہے جس میں مغرب کی عورت مبتلا ہے۔

اس تفصیل سے اصل مقصد اس پہلو کی وضاحت کرنا ہے کہ مذکورہ تعلیمات کی رو سے' جب عورت عام حالات میں گھر کی چار دیواری کے اندر رہنے کی پابند ہے' وہ تاجر وصنعت کار نہیں بن سکتی' کلرک اور بابو نہیں بن سکتی' جج اور سپاہی نہیں بن سکتی' کسی افسر کی سیکرٹری' کسی دکان میں ماڈل گرل

اور ائر ہوسٹس نہیں بن سکتی۔ تو ان حالات میں وہ از خود اپنے رفیق زندگی کا انتخاب کیونکر کر سکتی ہے؟ اور کیا اسلام کی ان ہدایات میں اس امر کی کوئی گنجائش ہے کہ مسلمان نوجوان بچی مرد کی ولایت سے آزاد ہے؟ اور وہ جب چاہے اور جس سے چاہے نکاح کرلے؟ اسلام کی ان تعلیمات کا عقلی تقاضا تو یہی ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا' کیونکہ ایسا ہونا یا کرنا مذکورہ تعلیمات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ ان تعلیمات کی رو سے مسلمان عورت کے لئے ضروری ہے کہ شادی سے پہلے اسے والدین کا تحفظ اور سہارا حاصل ہو' باپ نہ ہو تو بھائی' یا چچا اس کا سرپرست ہو اور شادی کے بعد خاوند اس کا قوام و نگران ہو' مطلقہ یا بیوہ ہونے کی صورت میں اسے پھر والدین یا سسرال کا تحفظ حاصل ہو۔

حنفی مسلک کی صحیح توجیہہ اور علمائے احناف کا طرز عمل: ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ قرآن وحدیث کے دلائل کی رو سے اتنا واضح ہے کہ صحابہ و تابعین' ائمہ ثلاثہ اور دیگر فقہاء و محدثین سب اس مسئلے میں متفق ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح باطل ہے۔ صرف احناف کا مسلک اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ جس سے اس میں گنجائش نکلتی ہے' جس سے سیکولر ذہن رکھنے والے بعض ججوں نے فائدہ اٹھایا اور اپنے فیصلوں میں ایسے باطل نکاحوں کو جائز قرار دے دیا۔ بعض حنفی علماء بھی اس کی تائید میں اخباری بیانات دیتے رہے ہیں۔ لیکن ہم نے فقہ حنفی میں بیان کردہ مسلک کا جائزہ لیا' تو ہمیں محسوس ہوا کہ مغربیت سے متاثر ججوں کا فقہ حنفی سے استدلال بھی صحیح نہیں' اور ان حنفی علماء کا رویہ بھی درست نہیں جو مطلقاً زیر بحث خفیہ نکاحوں

کے جواز کا فتویٰ دے کر نوجوان نسل کی بڑھتی ہوئی بے راہ روی کی تائید کر رہے ہیں۔

فقہ حنفی میں بھی ولی کی اجازت اور رضامندی کو مستحب (پسندیدہ) قرار دیا گیا ہے۔ گویا اس کا استحباب وہاں بھی مسلم ہے۔ علاوہ ازیں صرف ایک صورت میں ولی کی اجازت کے بغیر کیے گئے نکاح کو صحیح قرار دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی بالغ لڑکی ایسے لڑکے سے نکاح کر لے جو اس کا کفو ہو (یعنی خاندانی لحاظ سے ہم رتبہ ہو) اور مہر بھی کم نہ ہو' بلکہ اس کے خاندان کی دوسری عورتوں کے برابر ہو۔ (دلائل شرعیہ کی رو سے یہ مسلک اگرچہ محل نظر ہے' تاہم فی الحال اس سے قطع نظر) اس صورت میں قابل غور بات یہ ہے کہ اس قسم کے نکاحوں کو والدین بالعموم قبول ہی کر لیتے ہیں اور بات زیادہ نہیں بڑھتی۔ لیکن دوسری صورت فقہ حنفی میں یہ بیان کی گئی ہے کہ بالغ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے یا مہر مثل سے کم پر نکاح کر لے تو اس میں چونکہ اس کے خاندان والوں کی توہین و تذلیل (عار) ہے' اس لئے ایسا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہو گا' اگر وہ اسے ناپسند کرے گا تو عدالت کے ذریعے سے اسے فسخ کرا سکے گا' اگر خاموش رہے گا تو صحیح قرار پائے گا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ ایسا نکاح سرے سے باطل ہو گا اور اسے عدالت کے ذریعے سے فسخ کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ روایت علامہ انور شاہ کاشمیری نے بھی فیض الباری میں نقل کی ہے:

«لَوْ نَكَحَتْ فِيْ غَيْرِ كَفْءٍ بِغَيْرِ اِذْنِ الْوَلِيِّ، بَطَلَ نِكَاحُهَا فِيْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ»

(ج: ٤/ ٢٨٣)

”اگر عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر' غیر کفو میں نکاح کر لیا تو امام حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ ایسا نکاح باطل ہے۔“

اسی مسلک کو بعض علماء نے ((مُفْتٰی بِہٖ)) (جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے) قرار دیا ہے۔ جیسے ”فقہ السنۃ“ کے مصنف لکھتے ہیں:

«فَإِنْ زَوَّجَتْ نَفْسَهَا بِغَيْرِ كَفْءٍ وَبِغَيْرِ رِضَا وَلِيِّهَا الْعَاصِبِ، فَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ وَالْمُفْتٰى بِهِ فِي الْمَذْهَبِ عَدْمُ صِحَّةِ زَوَاجِهَا، إِذْ لَيْسَ كُلُّ وَلِيٍّ يُحْسِنُ الْمُرَافَعَةَ وَلاَ كُلُّ قَاضٍ يَعْدِلُ، فَأَفْتَوْا بِعَدْمِ صِحَّةِ الزَّوَاجِ سَدًّا لِبَابِ الْخُصُوْمَةِ»
(فقه السنة ٢/ ١١٤)

”اگر عورت نے اپنے ولیِ عاصب کی رضا مندی کے بغیر از خود اپنی شادی غیر کفوء میں کر لی' تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور مذہب حنفی کا مُفْتٰی بِہٖ مسلک یہ ہے کہ ایسی شادی صحیح نہیں ہے۔ (باطل ہے اور اسے فسخ نکاح کے لئے عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔) اس لئے کہ ہر ولی صحیح طریقے سے مرافعہ (عدالتی بحث کا اہتمام اور اس کے اخراجات کا تحمل) نہیں کر سکتا اور نہ ہر قاضی ہی عدل وانصاف کر سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جھگڑوں کا دروازہ بند کرنے کے لئے یہی فتویٰ دیا کہ ایسا نکاح ہی صحیح نہیں ہے۔“

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہم رتبہ لوگوں سے کم تر میں شادی کرنے یا اپنے شایانِ شان طریقے سے شادی نہ کرنے کی صورت میں کیا گیا نکاح باطل ہے۔ دوسری بات یہ کہ عدالتی کھکھیڑ میں پڑنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ان دونوں باتوں کا مآل بھی یہی ہے کہ لڑکی اور ولی دونوں کی رضا مندی ضروری ہے۔ اگر ولی' لڑکی کی رضا مندی کو نظر انداز کرے گا تو یہ بھی صحیح نہیں' کیونکہ شریعت نے اس سے منع کیا ہے اور اگر لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے گی تو وہ نکاح بھی صحیح نہیں ہو گا' بلکہ باطل قرار پائے گا۔

امام ابو حنیفہ کے بیان کردہ اس مسلک یا ((مُفْتٰی بِہٖ)) مذہب کو اپنایا جائے تو امام صاحب یا فقہ حنفی کا مسلک بھی دیگر ائمہ کے قریب تر ہو جاتا ہے اور "فیض الباری" میں علامہ انور شاہ کاشمیری نے اسی نقطۂ نظر کو اپنانے کی تلقین کی ہے' کیونکہ اس سے تمام دلائل میں تطبیق ہو جاتی ہے اور ان کے مابین کوئی تعارض نہیں رہتا جو بظاہر بعض لوگوں کو نظر آتا ہے۔ علامہ کاشمیری فرماتے ہیں:

«وَمَذْهَبُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ أَنَّ رِضَي الْمَوْلِيَّةِ مُقَدَّمٌ عِنْدَ تَعَارُضِ الرِّضَائَيْنِ مَعَ كَوْنِهَا مَأْمُوْرَةً بِتَحْصِيْلِ رِضَى الْوَلِيِّ، وَكَذَا الْمَوْلِيُّ مَأْمُوْرٌ بِتَحْصِيْلِ رِضَائِهَا فَلَمْ يَسْتَبِدَّ بِهِ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا، فَإِنَّهُ أَمْرٌ خَطِيْرٌ لَابُدَّ فِيْهِ مِنْ اِجْتِمَاعِ الرِّضَائَيْنِ»

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ دونوں کی پسند میں اختلاف کی صورت میں عورت کی پسند مقدم ہو گی' تاہم عورت بھی اس امر کی پابند

ہے کہ وہ ولی کی رضا مندی حاصل کرے' اسی طرح ولی کے لئے بھی عورت کی رضا مندی حاصل کرنا ضروری ہے' ان دونوں میں سے کسی کو بھی صرف اپنی ہی رائے منوانے پر اصرار کرنے کا حق نہیں ہے' اس لئے کہ یہ بہت اہم معاملہ ہے' جس میں دونوں کی رضا مندی کا اجتماع ضروری ہے۔"

اس کے بعد انہوں چار مثالیں دی ہیں' جن میں ظاہری تعارض محسوس ہوتا ہے لیکن حقیقت میں تعارض نہیں' بلکہ دونوں کے مجموعے سے احکام اخذ کئے جائیں گے۔ پھر مسئلہ زیر بحث کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"نکاح کے معاملے میں بھی روایات حدیث دو طرح سے آئی ہیں' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی ﷺ نے عورتوں سے خطاب فرمایا تو ان کو بتلایا کہ ان پر ان کے اولیاء کا حق ہے (اور وہ ان کے ماتحت ہیں) یہاں تک کہ یہ اندیشہ محسوس ہونے لگا کہ ان کا کوئی حق ان کے اپنے نفسوں میں نہیں ہے۔ جیسے نبی ﷺ کا فرمان ہے: "جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا' تو اس کا نکاح باطل ہے' باطل ہے' باطل ہے" باطل باطل کی تکرار سے مقصود مبالغے کا اظہار اور ولی کی اجازت کی مطلوبیت کی تاکید ہے۔ اس سے بعینہ وہی غرض ہے جس کی وضاحت ہم نے کی ہے..... اور جب آپ اولیاء کی طرف متوجہ ہوئے تو ان سے فرمایا کہ: "بے شوہر والی عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے" گویا اولیاء کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اس قسم کی جگہوں پر حدیث میں اجمال ہوتا ہے' اور اسی میں لوگوں کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے اور عمل کی طرف راغب کرنے میں زیادہ موثر اور شاید اب تم

سمجھ گئے ہو گے کہ شارع کا مقصود دونوں قسم کی احادیث کے مجموعے میں ہوتا ہے' ہر ایک قسم کی حدیث میں نصف نصف بات بیان کی گئی ہوتی ہے' پس جس شخص نے ان دونوں حدیثوں میں سے کسی ایک حدیث سے تمسک کیا تو اس نے گویا شریعت کی مراد کا نصف حصہ لے لیا (اور نصف چھوڑ دیا) اور دونوں فریقوں کے کلام سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ شافعیہ نے حدیث ((لا نکاح الا بولیٍ)) کو اپنی دلیل ٹھہرایا اور حدیث ((اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ ....)) کی تاویل کی' گویا یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔ اسی طرح احناف کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث: ((اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ)) (حدیث) ان کی دلیل ہے اور حدیث: ((لانکاح الا بولیٍ)) ان کے خلاف ہے' پس وہ (تاویل کے ذریعے سے) اس سے بچاؤ کی کوشش کرتے ہیں۔

حالانکہ معاملہ' جس طرح کہ عرض کیا گیا' یہ ہے کہ شارع کی مراد دونوں حدیثوں کے مجموعے میں ہے۔ (یعنی دونوں کا ایسا مفہوم لینا ہے کہ دونوں پر عمل ہو سکے) اور شارع نے تو اپنی مراد کھول کر بیان کر دی ہے..... اس مراد پر اس کے بغیر عمل ممکن نہیں کہ اولیاء کو تاکید کی جائے کہ وہ عورتوں کی رضا مندی حاصل کریں اور عورتوں کو حکم دیا جائے کہ وہ اپنے معاملے میں اولیاء کو شریک کریں۔ پس عورتیں اولیاء کے لئے آزمائش بنیں اور نہ مرد عورتوں پر تنگی کریں..... (فیض الباری:۲/۸۲۔۲۸۷)

علمائے احناف کے لئے صحیح طرز عمل : علمائے احناف اس توجیہہ کو تسلیم کرلیں جو امام حسن بن زیاد کی روایت کی بنیاد پر ہم نے کی ہے اور جس کی تائید

ایک اور بڑے حنفی عالم و محدث علامہ کاشمیری نے بھی کی ہے تو زیر بحث مسئلہ بہت حد تک اتفاقی قرار پا جاتا ہے اور وہ چور دروازہ بند ہو جاتا ہے جس سے بعض ججوں کو اسلام [illegible] عائلی حصار میں نقب لگانے اور مغرب کی بے راہ روی کو قانونی تحفظ [illegible] کا حوصلہ ہوا ہے۔ علمائے احناف کو سوچنا چاہیئے کہ یہ دور فقہی جمود کا [illegible] توسیع کا ہے اور مخصوص نقطہ نظر کی پابندی کی بجائے، مغربیت [illegible] کرنے کے لئے ایک وسیع تر نقطہ نظر اختیار کرنے کا ہے، تاکہ اسلام کا دفاع زیادہ بہتر طریقے سے اور اسلامی تہذیب کی برتری کا اثبات مؤثر انداز میں [illegible]

روشنی کی ایک [illegible] خوشی ہے کہ علمائے احناف کے چند اہل علم و قلم کو اس بات [illegible] کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا ہے، چنانچہ انہوں نے مسئلہ زیر بحث [illegible] جمود پر اصرار کرنے کی بجائے، حنفی مذہب کو جمہور فقہاء کے موقف [illegible] کا رویہ اختیار کیا ہے تاکہ مغربیت کا بھرپور مقابلہ کیا جا سکے۔ [illegible] تعداد اگرچہ ابھی تھوڑی ہے، لیکن چونکہ یہ رویہ دلائل [illegible] زیادہ قوی بھی ہے اور بحالات موجودہ اس کی اہمیت و افادیت [illegible] مسلم بھی۔ اس لئے ہمیں امید ہے کہ اس موقف کو علمائے [illegible] پذیرائی ملے گی۔

مذکورہ علمائے احناف [illegible] زاہد الراشدی سرفہرست ہیں جو خود عالم دین ہونے کے [illegible] حنفی عالم اور محدث مولانا محمد سرفراز صفدر (گکھڑ منڈی) [illegible] ہیں۔ ان کو ہر سال دیار مغرب بالخصوص

برطانیہ کا دورہ کرنے اور وہاں کے حالات کا نہایت قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملتا ہے' ان ملکوں میں نوجوان اولاد کو والدین کی گرفت سے آزادی کا جو قانونی تحفظ حاصل ہے' اس نے خاندانی نظام کو جس طرح برباد اور اخلاقی انارکی کو عام کیا ہے' وہ اس کے عینی شاہد ہیں' اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں یہ تاریخ نہ دہرائی جائے اور ہمارا معاشرہ اس تباہی وبربادی سے محفوظ رہے۔ جس سے اس وقت مغربی معاشرہ دو چار ہے۔ چنانچہ انہوں نے لاہور ہائی کورٹ میں جب لو میرج کا ایک کیس زیر سماعت تھا' عدالت کے فاضل ججوں کو مسئلے کی نزاکت واہمیت سے آگاہ کرنے کے لئے ایک مکتوب ارسال کیا تھا۔ یہ مکتوب فی الواقع چشم کشا کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لائق ہے کہ سب علمائے احناف بھی اس پر غور کریں اور فاضل عدالتوں کے جج بھی اپنے فیصلوں میں ان نکتوں کو نظرانداز نہ کریں۔ اس مکتوب --- میں تمام فقہی مذاہب بیان کرنے کے بعد جو کچھ کہا گیا ہے' وہ حسب ذیل ہے:

"اس تفصیل کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف سب سے زیادہ قرین انصاف اور متوازن معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رائے کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اسی بنیاد پر علامہ سید محمد انور کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ نکاح میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رضا کا اکٹھا ہونا ضروری ہے اور یہ بات انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ اس لئے کہ نکاح صرف دو افراد کے باہمی تعلق کا نام نہیں بلکہ دو خاندانوں کے باہمی تعلقات' معاشرہ میں ان کی عزت ووقار' اولاد کی کفالت وتربیت اور ایک نئے تشکیل پانے والے خاندان کے مستقبل کے

معاملات اس نکاح سے وابستہ ہیں اور اصول یہ ہے کہ کسی فیصلہ سے جتنے لوگ بھی متاثر ہوتے ہوں فیصلہ کرتے وقت ان سب کے مفادات کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

ویسٹرن سولائزیشن نے اسی مقام پر دھوکہ کھایا ہے کہ مغربی دانشوروں نے فرد کی آزادی اور عورت کے حقوق کے پرفریب عنوان کے ساتھ نکاح کو دو افراد کا معاملہ قرار دے کر اس کے باقی لوازمات ونتائج کو نظرانداز کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ خاندانی زندگی کے نظام اور رشتوں کے تقدس سے محروم ہو چکا ہے اور مغرب کا فیملی سسٹم انارکی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے جس کا ذکر چوٹی کے مغربی دانشوروں کی زبانوں پر بھی انتہائی حسرت کے انداز میں ہونے لگا ہے۔

اس سلسلہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن کے دورہ پاکستان کے موقع پر شائع ہونے والی اس خبر کا حوالہ دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ: "امریکی خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن اسلام آباد فار گرلز کالج کی اساتذہ اور طالبات کے ساتھ گھل مل گئیں اور ان سے ایک گھنٹے سے زیادہ بے تکلفانہ گفتگو کی، ہیلری کلنٹن نے طالبات سے ان کے مسائل دریافت کیے۔ طالبات نے دوستانہ انداز میں کلنٹن کی اہلیہ کو سب مسائل بتائے۔ فورتھ ایئر کی طالبہ نائیلہ خالد نے امریکی خاتون اول سے پوچھا کہ امریکی طالبات کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ اس پر امریکہ کی خاتون اول نے کھل کر گفتگو شروع کی۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان کی طالبات کا مسئلہ تعلیم کی مناسب سہولیات کا فقدان ہے۔ تعلیمی اداروں میں فنڈز کی کمی کا مسئلہ ہے مگر امریکہ میں ہمارا سب

سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں بغیر شادی کئے طالبات اور لڑکیاں حاملہ بن جاتی ہیں۔ اس طرح بے چاری لڑکی ساری عمر بچے کو پالنے کی ذمہ داری نبھاتی ہے۔

ایک دوسری طالبہ وجیہہ جاوید نے کہا اس مسئلے کا حل کیا ہے؟

اس پر ہیلری کلنٹن نے کہا اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو خواہ وہ عیسائی ہوں یا مسلمان اپنے مذہب اور معاشرتی اقدار سے بغاوت نہیں کرنی چاہیئے' مذہبی وسماجی روایات اور اصولوں کے مطابق شادی کے بندھن میں بندھنا چاہیئے' اپنی اور اپنے والدین کی عزت وآبرو اور سکون کو غارت نہیں کرنا چاہیئے۔ مسز ہیلری کلنٹن نے کہا کہ وہ اسلام اور عیسائیت کی شادی کے خلاف نہیں ہیں۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان میں مذہبی روایات کا احترام کرتے ہوئے شادی ہوتی ہے اس لئے یہاں لڑکیوں کے مسائل کم ہیں" (روزنامہ "جنگ" لاہور 28 مارچ 1995ء)

اس پس منظر میں آنجناب سے میری استدعا ہے کہ مسلمانوں کے خاندانی معاملات کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت اسلامی احکام وقوانین' معاشرتی روایات اور عدالتی نظائر کے ساتھ ساتھ مغربی معاشرہ میں "فیملی سسٹم" کی تباہی کے اسباب کو بھی سامنے رکھا جائے کیونکہ یہ کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہو گی کہ مغرب جس دلدل سے واپسی کے راستے تلاش کر رہا ہے ہم آزادی اور حقوق کے نام نہاد مغربی فلسفہ کی پیروی کے شوق میں قوم کو اسی دلدل کی طرف دھکیلنا شروع کر دیں۔ امید ہے کہ آپ ان معروضات پر ضرور توجہ فرمائیں گے۔"

اس خط کی تمام باتیں ہی نہایت اہم اور سب کے لئے قابل غور ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ اہم بات اس میں علامہ انور شاہ کاشمیری کے حوالے سے حنفی مذہب کی یہ وضاحت ہے کہ اس کی رو سے نکاح میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رضا کا اکٹھا ہونا ضروری ہے اور ہمارے خیال میں یہی موقف تمام ائمہ اسلام کا ہے چاہے وہ مالکی ہوں یا حنبلی' شافعی ہوں یا اہلحدیث۔ کوئی بھی لڑکی پر جبر کرنے اور اس کی رضا مندی کے بغیر اس کا نکاح کرنے کا قائل نہیں۔ سب کہتے ہیں کہ جس طرح لڑکی کے لئے یہ جائز نہیں کہ ولی کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر از خود نکاح کر لے' اسی طرح ولی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ لڑکی کی رضامندی کے بغیر زبردستی اس کا نکاح کر دے۔

جب واقعہ یہ ہے کہ مسئلہ ولایت نکاح میں حنفی مذہب اور دوسرے فقہی مذاہب کے درمیان مطابقت وہم آہنگی کی شکل موجود ہے تو پھر حنفی مذہب کی ایسی تعبیر پر کیوں اصرار ہے جس میں اختلاف نمایاں ہو اور پھر اس کی بنیاد پر نوجوان لڑکی کو یہ حق دینے کی وکالت کی جائے کہ وہ از خود نکاح کر سکتی ہے' اس کے لئے ولی کی اجازت اور رضا مندی ضروری نہیں۔ اور یوں بالواسطہ اس مغرب زدگی کی تائید کی جائے جس کا مقصد مسلمان عورت کو ہر قسم کی قید اور پابندی سے آزاد کرنا ہے تاکہ وہ بھی مغربی عورت کی طرح شرم وحیاء کے زیور سے محروم ہو کر۔ بے حیا باش وہرچہ خواہی کن۔ کے راستے پر گامزن ہو جائے۔ جیسا کہ پاکستان میں نوجوان لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد یہ راستہ اپنا چکی ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ بے راہ روی اور گمراہی کا یہ راستہ' جو بدقسمتی سے کھل چکا ہے' اسے بند ہونا چاہیئے یا اسے چوپٹ کھول دینا چاہیئے؟ اگر اسے بند

کر کے مغربی تہذیب کی روک تھام ضروری ہے تو اس کے لئے فقہی توسع اختیار کرنے کی ضرورت ہے یا تمام چیزوں سے آنکھیں بند کر کے اپنی مخصوص رائے اور مخصوص تعبیر پر اصرار کرنے کی؟

اس کا جواب واضح ہے۔ اسی لئے ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا راشدی صاحب نے مذکورہ خط میں بیان کردہ فقہی توسع کو اختیار کر کے مسئلہ ولایت نکاح میں اختلاف کی بجائے' زیادہ سے زیادہ اتفاق پیدا کرنے کی اور مسلمان عورت کو مغرب زدگی اور آوارگی سے بچانے کی سعی کی ہے' انہوں نے یقیناً عقل ودانش کے صحیح استعمال اور اسلامی غیرت وحمیت کا ثبوت دیا ہے۔ یہی عقل ودانش اور فقہی وحزبی تعصب کی بجائے اسلامی عصبیت وحمیت' وقت کا تقاضا بھی ہے' اور آج کی شدید ضرورت بھی۔ کاش ہمارے علماء اور عدالتوں کے فاضل جج اس تقاضے اور ضرورت کا احساس کر سکیں۔ ((وما علینا الا البلاغ المبین))
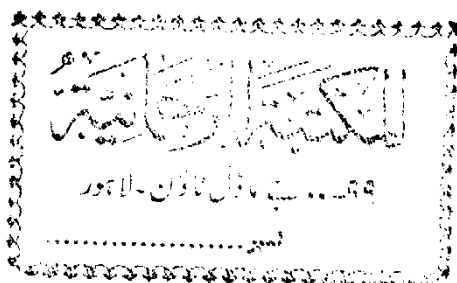
DARUSSALAM
دارالسلام
عالم اسلام کا ایک عظیم دینی علمی تحقیقی طباعتی
اور اشاعتی ادارہ ہے جو انسانی زندگی اور اسلامی معاشرہ کے ہر موضوع
پر کتاب و سنت کی روشنی میں معیاری اور بلند پایہ کتابیں شائع کر رہا
ہے۔ مختلف زبانوں میں متعدد موضوعات پر سینکڑوں کتابوں کی
اشاعت اس کا عالمی کارنامہ ہے، اس کا طباعتی معیار بین الاقوامی
ہے۔ ان کتب کے مطالعہ سے ہزاروں افراد کو قبول اسلام کی سعادت
میسر آتی ہے اور لاکھوں افراد اپنی تعمیر سیرت کا سامان فراہم
کر رہے ہیں
دلوں کو نور ایمان اور دماغوں کو سکون بخشنے والا یہ لٹریچر
خود پڑھیے دوسروں کو پڑھایئے
اور دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے استعمال میں لایئے
دارالسلام کا نام اسلام کا پیغام